وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (بنی اسرائیل آیت ۸۱)

اور آپ کہہ دیجئے اے لوگوں دیکھو حق ظاہر ہو گیا اور باطل نیست و نابود ہوا اور بلاشبہ باطل اسی لائق تھا کہ نیست و نابود ہو کر رہے

رفع الشکوک والاوہام

بہ جواب

بارہ مسائل بیس لاکھ انعام

مؤلف

جلال الدین القاسمی

(فاضل دارالعلوم دیوبند)

ناشر

جمعیت علماء اہل حدیث بنگلور (رجسٹرڈ)

JAMIAT -E- ULMA -E- AHLE HADEES BANGLORE (R)

Masjid-e-Fatima, 14 Cross, Near Fareeda Shoe Factory,

Govind Pura, Bangalore-45

اغراض ومقاصد

- ☆ اللہ ہمارا رب ہے
- ☆ اسی کی عبادت ہمارا نصب العین ہے
- ☆ محمد ﷺ ہمارے رہبر ہیں
- ☆ ان کی اطاعت ہماری پہچان ہے
- ☆ قرآن ہمارا دستور ہے
- ☆ اس کی واحد تعبیر سنت رسول ﷺ ہے
- ☆ علم وتحقیق ہمارا شیوہ ہے

گر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق وشوق

امتی کہلا کے پیغمبر کو تو رسوا نہ کر

ہے فقط توحید وسنت امن وراحت کا طریق

فتنۂ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر

ملنے کا پتہ

JAMIAT-E-ULMA-E-AHLE HADEES (R)

Markazi Masjid-e-Fatima, 14 th Cross, Govindpura Main Road,

Near Fareeda Shoe Factory, Bangalore - 560045

Phones : 25444300, 9448606644, 9448162446

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفع الشکوک والاوھام

بہ جواب

بارہ (۱۲) مسائل بیس (۲۰) لاکھ انعام

مولف

جلال الدین القاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر:

جمعیت علماء اہل حدیث بنگلور (رجسٹرڈ)

WWW.ISLAMICLECTURES.WAPKA.MOBI
KI
FAKHRIYA PESHKASH

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	رفع الشکوک والاوھام بہ جواب بارہ مسائل بیس لاکھ انعام
مولف	:	جلال الدین القاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)
تعداد	:	پانچ ہزار (5000)
سن اشاعت	:	جون 2005
ناشر	:	جمعیت علماء اہل حدیث، بنگلور (رجسٹرڈ)
قیمت	:	

ملنے کا پتہ:

مسجد فاطمہ بنت عبدالرحمٰن

14واں کراس نزد فریدہ شوفیکٹری

گوئند پورہ، بنگلور۔45 فون: 25444300

9448606644/9448172446

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

علمائے اہل حدیث کی مساعی جمیلہ سے جب سلفیت کی دعوت پھلنے پھولنے لگی۔ اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش سلفیت ہونے لگے تو تقلید کے ایوانوں میں زلزلے آ گئے۔ ردعمل میں مقلدین نے اپنے پیشرؤں کی روش پر چلتے ہوئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ مساجد کے منبروں سے تحفظ شریعت کے نام سے جلسوں کے انعقاد اور کتب ورسائل کی اشاعت کے ذریعے سادہ لوح عوام کو حق سے دور کرنے اور اپنے باطل مذہب کو حق ثابت کرنے کے لیے پورے زور وشور کے ساتھ لنگوٹی باندھ کر میدان میں اتر پڑے۔ ابھی حال ہی میں لجنۃ العلماء، کرناٹک کی طرف سے مولوی منیر احمد ملتانی کی ایک کتاب **۱۲ مسائل ۲۰ لاکھ انعام** نامی مطبوع ہو کر منظر عام پر آئی۔ کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ پوری کتاب مکذوبات، مغالطات اور افتراء پردازیوں کا پلندہ ہے۔ مصنف نے اپنے باطل مذہب کی تائید میں ساقط عن الاحتجاج اور پایہ استناد سے گری ہوئی روایات تک نقل کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ اس پر خاموش رہنا چونکہ حق وصداقت کی رسوائی تھی۔ لہذا ہمارے عزیز **شیخ جلال الدین قاسمی** جو اردو، ہندی **عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت اور بھوجپوری** زبانوں پر عبور رکھتے ہیں، حق کے دفاع کے لیے کھڑے ہوئے اور اس گمراہ کن تحریر کا مسکت ومدلل جواب رفع الشکوک والاوہام بجواب ۱۲ مسائل ۲۰ لاکھ انعام کے نام سے قلمبند کیا۔ یہ کتاب علماء اور عوام دونوں کے لئے مفید ہے اور متلاشیان حق کے لئے نشان منزل بھی۔

احمد اللہ قریشی مدنی

بنگلور، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام علىٰ سيد الاولين و الآخرين محمد خاتم النبيين و علىٰ آله و صحبه اجمعين اما بعد۔

جب کوئی شخص حق کو تسلیم نہ کرنے کا ذہنی فیصلہ کر چکا ہو تو اگر وہ فرشتوں کو آسمان سے اترتا دیکھ لے یا مردے اس سے بات کرنے لگیں تب بھی وہ حق کو تسلیم نہیں کرتا۔

اس فساد ذہن کی مختلف وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ غلو فی الدین ہے جس سے قرآن وحدیث میں بڑی شدومد سے روکا گیا ہے۔قرآن میں ہے {قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ﴾ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو۔اور حدیث میں ہے ''انما اھلک من کان قبلکم الغلو فی الدین'' پچھلی قومیں غلو فی الدین کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

یہ غلو ہی کی تو کرشمہ سازیاں ہیں کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔غلو ہی کی وجہ سے انسانوں کو اللہ کا اوتار کہا گیا،شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے بارہ امام معصوم ہیں۔بریلویہ مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔ دیوبندیہ زبان سے تو نہیں کہتے مگر دل سے مانتے ہیں کہ ان کے امام ابوحنیفہ معصوم تھے۔ اور ان کے تمام اجتہادات صحیح ہیں۔

فقہ کی مشہور کتاب شامی میں ہے ''فلعنة ربنا اعداد رمل علىٰ من رد قول ابی حنیفة'' کہ اس پر ریت کے برابر ہمارے رب کی لعنت ہو جو ابوحنیفہ کا قول رد کرے۔یہ مقام تو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کسی امتی کے لئے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر کے قول کو رد کرنے والا بقول قرآن بے ایمان ہے لیکن یہ بے ایمانی اور زیادتی ہے کہ

جس کسی نے امتی کے قول کو رد کیا اس پر ریت کے برابر لعنتیں اتریں۔

ایک غالی حنفی امام کرخی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جو حدیث ہمارے امام ابوحنیفہ کے قول کے خلاف ہو وہ یا تو موؤل ہے یا منسوخ۔

تبلیغی دیوبندی حضرات ان سے ایک قدم آگے ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ بریلویہ اپنے بزرگوں کی لاشوں کو پوجتے ہیں اور دیوبندیہ اپنے بزرگوں کے اقوال کو پوجتے ہیں حالانکہ پرستش صرف اللہ کی اور اتباع صرف رسول کی ہونی چاہیے۔مزاج یہاں تک بگاڑ گیا کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی فرماتے ہیں ''حق اور انصاف یہ ہے کہ بیع خیار کے مسئلے میں ترجیح امام شافعی کے مسلک کو ہے لیکن چونکہ ہم مقلد ہیں لہذا ہمیں اپنے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے''

نیز دیوبندیہ ان[illegible]ن تو کرتے ہیں کہ قیاس کا درجہ قرآن وسنت کے بعد کا ہے مگر اصول فقہ کی کتاب حسامی میں لکھا ہے ''حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ جیسے غیر فقیہ راویوں کی حدیث اگر قیاس کے مخالف ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے امام ابوحنیفہ کی شخصیت میں غلو نے دیوبندیہ کو تحریف وتاویل، تغیر وتشکیک، قطع وبرید، حدیث کے مخطوطات میں ردوبدل اور مبالغہ آرائی جیسی حیا سوز حرکتوں پر مجبور کیا۔ایضاح الادلۃ میں مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس آیت کو﴿ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ کے بعد ''واولی الامر'' کا اضافہ کر دیا۔مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت اس طرح ہے'' حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمه بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایت النبی وضع یمینه علیٰ شماله فی الصلوٰة'' مصنف ابن ابی شیبہ کا پہلا ایڈیشن جو حیدرآباد سے 1966ء میں شائع ہوا اور دوسرا ایڈیشن بمبئی سے 1979ء میں شائع ہوا۔دونوں ایڈیشنوں میں فی الصلوٰة کے بعد کوئی زیادتی نہیں تھی لیکن کراچی (پاکستان) کے ایک ادارہ

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ'' نے جب مصنف ابن ابی شیبہ کو شائع کیا تو فی الصلوٰۃ کے بعد تحت السرۃ کا اضافہ کر دیا۔

حدیث میں تحریف کی دوسری مثال ابن ماجہ کی یہ حدیث ہے۔ ''من کان له امام فقرأۃ الامام له قرأۃ'' فاتحہ خلف الامام سے روکنے والی حنفیہ کی یہ آخری دلیل ہے لیکن اس حدیث کی سند میں جابر جعفی مشہور کذاب راوی ہے۔ جس کے متعلق امام طبری نے ابو حنیفہ کا قول یوں نقل کیا ہے۔ ما رایت احدا اکذب من جابر الجعفی (ذیل المذیل طبری صفحہ ۹۸) میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔ مقدمہ مسلم میں بھی ہے کہ جابر جعفی غالی راوی تھا اور اسے اقرار تھا کہ مجھے پچاس ہزار موضوع احادیث یاد ہیں۔ ابن ماجہ نے اس کی سند یوں نقل کی ہے ''عن جابر الجعفی عن ابی الزبیر عن جابر'' امام بیہقی نے یہی سند ذکر کی ہے لیکن مولوی فخر الحسن دیوبندی رکن رکین دیوبند نے ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی دہلی میں اپنی طرف سے ''و'' بڑھا کر سند اس طرح کر دی ہے ''عن جابر الجعفی و عن ابی الزبیر عن جابر'' اس طرح جابر جعفی اور ابو الزبیر دونوں کو جابر صحابی کا شاگرد بنا دیا اس سے فائدہ یہ ہوا کہ اہل حدیثوں کا اعتراض رفع ہو کیونکہ جھوٹا راوی جب ثقہ کی متابعت کرے تو حدیث کی صحت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کو نبوت کے مقام تک پہونچانے کی سعی ناروا نے احناف کو جھوٹی حدیثیں گھڑنے پر مجبور کیا۔ درمختار میں ہے ''ان آدم افتخر بی و انا افتخر برجل من امتی اسمہ نعمان و کنیتہ ابو حنیفہ و ہو سراج امتی'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم نے مجھ پر فخر کیا اور میں اپنے ایک امتی پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان ہے اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہے اور وہ میری امت کا چراغ ہے۔ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئیں جن کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا فقط مکذوبات کا پلندہ تھیں۔ مثلاً یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ قلیل الروایۃ تھے

مگر یہ پروپگنڈا کیا گیا کہ ستر ہزار احادیث امام ابو حنیفہ کی تصانیف میں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سی تصانیف ہیں انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نے اچک لیا۔

ابو الحسن مرغینانی نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے پچپن حج کئے اب ذرا غور فرمایئے کہ امام صاحب کی کل عمر ستر برس ہے۔ بیس سال کی عمر میں امام شعبیؒ کے توجہ دلانے پر تحصیل علم کی طرف راغب ہوئے پھر بیس سال علم کی تحصیل میں گذارے پھر زندگی کے آخری پانچ سال جیل میں گذرے۔ اب بتایئے پچیس برس میں پچپن حج کیسے کر سکتے تھے؟

اب حقیقتیں جو نکھر کر سامنے آ رہی ہیں انہوں نے دیوبندیہ کو سکتے میں ڈال دیا ہے وہ بوکھلا گئے ہیں اس بوکھلاہٹ میں وہ جگہ جگہ اہل حدیثوں کے خلاف طوفان برپا کر رہے ہیں ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کر رہے ہیں کبھی کہا جاتا ہے کہ غیر مقلدین امام ابو حنیفہ کی توہین کرتے ہیں۔ ذرا یہ بتایئے کوئی کسی کو آسمان پر چڑھائے تو ظاہر ہے اسے زمین پر اتارنے کی کوشش تو کی جائے گی آخر امام کو نبی کا درجہ دینے کی اجازت تو نہیں دی جا سکتی۔

آج جماعت اہل حدیث جو جماعت منہجِ صحابہ پر مضبوطی سے قائم ہے اس کی سب سے زیادہ شد و مد سے مخالفت کرنے والے یہی دیوبندیہ ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ اہل حدیث کو منکرِ اجماع و قیاس کے لقب سے نوازا جاتا ہے جب کہ یہ سفید جھوٹ ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ گستاخ ائمہ ہیں، جب کہ حنفیہ ہی نے یہ حدیث گھڑی ہے'' عن انس قال قال رسول اللہ یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علیٰ امتی من ابلیس'' (میزان الاعتدال) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میری امت میں محمد بن ادریس (امام شافعی) نامی ایک شخص ہوگا جو میری امت کے لئے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا۔

امام شافعی کی شان میں اس سے زیادہ گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ اہل حدیث متعصب ہوتا ہے۔ جب کہ'' قال صاحب

کتاب مراقی الفلاح الحنفی عن ماء البئر النجس الذی وقع فیه حیوان ثم مات
و انتفخ فان عجن بمائها یلقی للکلاب او یعلف به المواشی ، و قال بعضهم
یباع لشافعی" (مراقی الفلاح صفحہ ۲۲۔۲۱) صاحب مراقی الفلاح حنفی نے کہا کہ کنویں کا پانی کسی جانور
کے گر کر مر جانے اور پھول پھٹ جانے سے نجس ہو جائے اور اس نجس پانی سے آٹا گوندھ لیا
جائے اور بعد میں علم ہو جائے کہ وہ پانی نجس تھا تو آٹا یا تو کتے کو ڈال دیا جائے ایک نے تو کہا
کہ شافعی مذہب والے کو یہ آٹا بیچ دیا جائے دیکھئے حنفیوں کے تعصب کی انتہا ہے کہ کتے کو
یوں ہی کھلا دیا جائے مگر شافعی مذہب والے کو مفت نہ دیا جائے بلکہ پیسہ لے کر دیا جائے۔

دیوبندیہ کے گمراہ کن عقائد اور مخالف احادیث ، اقوال و افعال پر اہل حدیثوں
نے جب شدت سے دار و گیر شروع کی تو یہ بہت بوکھلائے اس بوکھلاہٹ میں انہوں نے
عجیب عجیب مذبوحی حرکتیں کیں ایک غالی حنفی دیوبندی ابوبکر غازی پوری نے وقفۃ مع
اللامذھبیۃ نامی ایک کتاب لکھ کر اہلحدیثوں کو لامذہب ثابت کرنے کی مذموم سعی کی اس کے
بعد شروع ہوا ہندوستان بھر میں جگہ جگہ تحفظ شریعت کے نام سے جلسوں کا انعقاد۔ جن جلسوں
میں قرآن و حدیث کا بیان نہیں بلکہ ان میں اہل حدیثوں کو منہ بھر بھر کر گالیاں دی گئیں۔ تحفظ
شریعت کی آڑ میں تحفظ حنفیت و دیوبندیت کی کوششیں کی گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم و سائنس کے اس دور میں تقلید کے تن مردہ کی حفاظت ان
مجاورانِ مقابرِ تقلید دیوبندیہ کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بن گئی ہے۔ ان کا مسلک تقلیدی
اقوال ہیں جن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے نہیں لی ہے تو پھر یہ بیچارے اگر خود ان کی
حفاظت نہیں کریں گے تو کون کرے گا، امام شافعی کی کتاب "کتاب الام" موجود ہے۔ امام
مالک کی کتاب "مؤطا" موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل کی کتاب "مسند احمد" موجود ہے۔ مگر
امام ابوحنیفہ کی کسی کتاب کا نام و نشان دنیا میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری تکلیفیں ان کے

مقلدین کو کرنی پڑیں گی اور بیچارے کر رہے ہیں ایسی ہی کاوشوں میں سے ایک مذموم کاوش
ایک دیوبندی مولوی منیر احمد ملتانی نے کی ہے۔ انہوں نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا
نام "بارہ مسائل بیس لاکھ انعام" ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ دیوبندیت کی بوسیدہ دیوار کو
ایک کرم خوردہ لاٹھی سے سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کتاب کو کچھ بے بصیرت قاسمیوں
نے لجنۃ العلماء کرناٹک کی طرف سے شائع کیا ہے اور قاسمیوں کے حلقے میں اسے ایک بہت
بڑا کارنامہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کا مقصد صرف سادہ لوح عوام کو مرعوب کرنا ہے لیکن
اس کتاب سے عوام مرعوب ہوں تو ہوں مگر اہل علم و نظر کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت
"گوزشتر" سے زیادہ نہیں یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو جمعیۃ علماء اہل حدیث بنگلور کے
ذمہ داران کی درخواست پر مسجد فاطمہ اہل حدیث گوئند پورہ بنگلور میں میں نے اس کتاب کا
محاسبہ کرنا چاہا اور اس میں موجود مغالطوں کی قلعی کھولنی چاہی تو قاسمی مفتیوں نے شور و غوغا برپا
کر کے پروگرام کو درہم برہم کر ڈالا بعد میں انہوں نے کئی جلسوں کا انعقاد کیا جن میں انہوں
نے جھوٹی باتیں عوام کے سامنے پیش کیں۔

ضرورت ہے کہ اس غبارے کی پوری ہوا نکال دی جائے۔ زیر نظر کتاب میں میں
نے کوشش کی ہے کہ جواب مختصر اور جامع انداز میں دیا جائے جو ملتانی کی کتاب کے ذریعے
پھیلائی گئی تمام بدگمانیوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے لئے کافی ہو۔

میں جمعیۃ علماء اہل حدیث بنگلور کے صدر شیخ احمد اللہ صاحب قریشی عمری مدنی حفظہ
اللہ کا بے حد مشکور ہوں جن کے مفید اور گرانقدر علمی مشورے اس کتاب کی تیاری کے ہر ہر
مرحلے میں میرے ساتھ رہے۔ ساتھ ساتھ جمعیۃ علماء اہل حدیث کے سرگرم اراکین، اور جمیع
معاونین کا بھی شکر گذار ہوں جن کی ہمت افزائی سے یہ کام بہت جلد تکمیل کے مرحلے میں
پہنچ گیا۔

اور بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مجلّہ اسلاف کے معاون ایڈیٹر مولانا عبد الآخر صاحب مالیگاوں کاشکریہ نہ اداکروں جنہوں نے مراجع اور مصادر کی تلاش میں میرے ساتھ بڑی جانفشانی کی ہے۔

میں ان سب کے لئے اللہ سے دعا گوہوں کہ انہیں اجر جزیل سے نوازے اوراس کتاب کومفیدِ عوام وخواص بنائے۔آمین وماتوفیقی الاباللہ

الراجی عفو ربہ

جلال الدین القاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

ملتانی صاحب مقدمہ میں صفحہ ۵ پر قمطراز ہیں:

''غیر مقلدین کے نزدیک صرف دوہی دلیلیں ہیں (۱) قرآن (۲) حدیث الخ،

جواب: تواس میں غلط کیا ہے رسول اللہ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔کتاب اللہ اور میری سنت۔(مستدرک حاکم کتاب العلم عن ابی ہریرۃ) اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل حجِ شرعیہ صرف دوہی ہیں قرآن وسنت رہا اجماع وقیاس کا مسئلہ تو یہ دونوں اصل حجِ شرعیہ کے تابع ہیں یعنی اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت سے واضح نہ ہوتو اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کریں گے۔

اجماع کا ثبوت اس آیت ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اورمومنین کی راہ چھوڑ کر چلے (نساء آیت ۱۱۵) اوراس حدیث میں ہے'' ان الله لا يجمع امتى او قال امة محمد علىٰ ضلالة۔(ترمذی عن ابن عمر) اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

اور قیاس کا ثبوت اس آیت میں ہے ﴿ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴾ (سورہ حشر آیت ۲) اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔ اوراس حدیث میں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
''گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) باعث ثواب

(۲) باعث عذاب

(۳) نہ باعث ثواب نہ عذاب''۔

تو آپ سے گدھوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اللہ نے میرے اوپر کوئی بات نہیں اتاری سوائے اس بے نظیر جامع آیت کے ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

(بخاری کتاب الاعتصام، عن ابی ہریرۃ)

اور یہ تو احناف بھی تسلیم کرتے ہیں'' لا قياس مع النص ''کہ نص کی موجودگی میں قیاس نہیں۔

اجماع

یہ اعتراض کہ اہل حدیث اجماع کے منکر ہیں صحیح نہیں۔

جہاں تک اہل حدیث کے موقف کی بات ہے وہ صاف وشفاف ہے اہل حدیث کے نزدیک اجماع کا تیسرا درجہ ہے۔ بشرطیکہ اجماع ثابت ہو زبانی جمع خرچ نہ ہو اور چند فقہاء کے اقوال کو اجماع باور نہ کرایا گیا ہو حیرت تو یہ ہے کہ حنفی دعویٰ تو کرتا ہے کہ اجماع کا قائل ہے مگر دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی اجماع کا منکر نہیں عدم تقلید پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (تفصیل معیار الحق، صفحہ 157 پر دیکھئے)

کوئی صحابی تقلید کا قائل نہ تھا اس پر ایک مثال بھی بسند صحیح پیش نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ اہل حدیث اجماع کے قائل ہیں ہاں البتہ حنفیہ اور اہل حدیث کے درمیان شرائط اجماع میں اختلاف ہے۔

کیا اہل حدیث فقہ کے منکر ہیں؟

شریعت کی اصطلاح میں قرآن وسنت کو فقہ کہتے ہیں حضرت زید بن ثابت راوی ہیں رسول اللہ نے فرمایا ''نضر اللہ إمرأً سمع مقالتی فبلغها فرب حامل فقة غیر فقیه و رب حامل فقه من هو أفقه منه '' (ابن ماجہ، ابوداود، مسند احمد) اس حدیث پر غور کیجئے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ارشاد (حدیث) کو فقہ کہا ہے۔ معلوم ہوا اصل میں قرآن وسنت اور ان کا فہم فقہ ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ رسول نے فرمایا اللہ ﷺ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔ (بخاری جلد اول صفحہ 16)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہ دین کی سمجھ ہے جو کسبی چیز نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اور وہی قرآن حدیث ہے۔ اور اقوال الرجال تو علماء کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں لہٰذا ان کے فتاویٰ فقہ نہیں بلکہ آراء ہیں۔ حنفیوں کے نزدیک فقہ سے مراد حنفیت کی مروجہ کتب فقہ ہیں حالانکہ اہل حدیث ان کا انکار فقہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ

غیر معصوم امتیوں کے اقوال کی بنا پر کرتے ہیں۔ جیسے حنفی حضرات فقہ جعفریہ فقہ حنبلی فقہ شافعی فقہ مالکی کو نہیں مانتے۔

دیوبندیہ کے نام نہاد قیاس وتفقہ کی راہ:

''کانت عائشة یؤمها عبدها ذکوان من المصحف''۔ (بخاری جلد دوم صفحہ ۷۵۶) ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔

مگر فقہ کا کہنا ہے'' لو نظر المصلی الی المصحف و قرأ منه فسدت صلوته لا الی فرج امرأة بشهوة'' (الاشباہ والنظائر صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ ہند)

ترجمہ: اگر نمازی نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر عورت کی شرمگاہ جنسی جذبہ کے ساتھ دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اب اس عقل پروری اور تفقہ نوازی کو کون سمجھے جہاں قرآن دیکھنے سے خشوع ٹوٹے اور عمل کثیر ہو اور شرمگاہ کی طرف جنسی جذبے کے ساتھ توجہ نماز پر کوئی اثر ہی نہ ڈالے۔

''عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ یؤم القوم اقرأهم لکتاب اللہ فان کانوا فی القرأة سواء فاقدمهم فی الهجرة فان کانوا فی الهجرة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمهم سنّا ولایوم الرجل فی سلطانه و لا یقعد علیٰ تکرمته الا ان یأذن لک'' (نسائی، کتاب الامامۃ، باب من احق بالامامۃ)

ترجمہ: ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ قاری ہو پس اگر قرآن میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو اور اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو احادیث زیادہ جانتا ہو اور اگر احادیث جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جس کی عمر زیادہ ہو اور کوئی دوسرے کی امامت کی جگہ میں جا کر امامت نہ

کرے نہ تو اس کی عزت کی جگہ پر جا کر بیٹھ جائے ہاں اگر وہ اجازت دے تو جائز ہے۔

قارئین! مذکورہ حدیث کو دیکھیں اس میں امامت کی شرطیں بتا دی گئی ہیں اگر امام کا جسمانی نقص وعیب مثلاً (اندھا ہونا لولا ہونا لنگڑا ہونا) سے پاک ہونا امامت کی شرط ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بھی ذکر فرما دیتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اندھے کی امامت کا تذکرہ کئی حدیثوں میں موجود ہے۔ **عن انس بن مالک انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین یصلی بھم و ھو اعمیٰ** (مسند احمد حدیث ۱۳۰۳۱) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر (اپنی غیر موجودگی میں) دو مرتبہ عبداللہ ابن ام المکتومؓ کو اپنا جانشین بنایا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے جبکہ وہ اندھے تھے۔

عن ابن شھاب عن محمود بن الربیع ان عتبا ن بن مالک کان یؤم قومہ و ھو اعمی'' (نسائی باب امامۃ الاعمیٰ)

عتبان بن مالک اندھے تھے اور اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔ حیرت ہے ان احادیث کے ہوتے ہوئے حنفیہ کے یہاں جسمانی نقص والے آدمی کی امامت درست نہیں

(۱) حلالہ کرنے اور کرانے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون کہا لیکن مقلدین قیاسی حضرات اس کو نہیں مانتے۔

(۲) بغیر ولی کے نکاح نہ ہونا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، مقلدین نہیں مانتے۔

(۳) گھوڑے کے گوشت کو شریعت نے حلال کیا لیکن قیاسی حضرات حلال نہیں مانتے۔

(۴) اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ حدیث سے ثابت، قیاسی حضرات نہیں مانتے۔

(۵) جو جمعہ کے خطبہ کی حالت میں آئے وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھے۔ قیاسی حضرات نہیں مانتے۔

(۶) نماز میں بچے کو اٹھا لینے کی حدیث نہیں مانتے۔

(۷) عمامہ پر مسح کی حدیث نہیں مانتے۔

(۸) جو لڑکا کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب پر چھینٹے دے لینا کافی ہے یہ بھی نہیں مانتے۔

(۹) قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا اس کو بھی نہیں مانتے۔

(۱۰) بھولے سے نماز میں بات کرنے پر نماز باطل نہیں ہوتی مگر رائے کے رگڑنے والے ان حدیثوں کے منکر ہیں۔

(۱۱) بحالت اکراہ طلاق نہیں ہوتی مگر قیاسی حضرات طلاق مانتے ہیں۔

(۱۲) سفر میں جمع بین الصلوٰتین کی رخصت والی حدیث قیاسی حضرات نہیں مانتے۔

کیا تقلید شرک ہے؟

ملتانی صاحب صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں: ''غیر مقلدین کے نزدیک امتیوں کی تقلید شرک ہے الخ،

جناب ملتانی صاحب! آپ اہل حدیثوں کو کیوں مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر فتح العزیز مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۱۲۸ پر آیت ''فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' کے تحت لکھتے ہیں۔ عبارت فارسی میں ہے جس کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

''کسی کے احکام کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تقلید کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالے اور اس کی تقلید لازم جانے اور باوجود اس کے کہ اللہ کا حکم اس کے حکم کے خلاف ظاہر ہو تقلید نہ چھوڑے یہ ایک قسم کا شرک قبول کرنا ہے۔

مولانا حیات سندھی اپنی کتاب تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں:

''جو شخص کسی ایک معین شخص پر اڑ جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور اس کا قول ہی صواب و درست سمجھے اور اسی کی تقلید واجب جانے دوسرے ائمہ کرام کی پیروی نہ کرے ایسا شخص گمراہ اور جاہل ہے بلکہ اس جمود کے سبب وہ کافر ہے اس سے توبہ کرائی

جائے اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کسی امام و مجتہدِ معین کی اتباع ضروری سمجھی اور اس کو لوگوں پر واجب قرار دیا تو ایسے شخص نے اپنے امام کو بمنزلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھہرایا اور یہ کفر ہے۔ ملتانی صاحب بتائیں کہ شاہ عبدالعزیز اور مولانا حیات سندھی دونوں بزرگ مقلد تھے یا غیر مقلد؟

تضاد بیانی

ملتانی صاحب نے صفحہ ۶ پر کچھ اہل حدیث علماء کی کتابوں کے حوالے پیش کئے ہیں ایک طرف تو دن رات اہل حدیثوں کو غیر مقلد کہا جاتا ہے دوسری طرف اہل حدیث علماء کے فتاویٰ و اقوال ہمارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ ویسے اہل حدیث کو غیر مقلد نام متعصب احناف نے دیا ہے۔

غیر مقلد دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''غیر'' اور ''مقلد''۔ ''مقلد'' کہتے ہیں کسی کی بات بے دلیل قبول کرنے والا۔ اور ''غیر'' کے ساتھ معنی ہوا غیر کی بات کو بے دلیل نہ ماننے والا اسی طرح اہل حدیث بھی دو لفظوں سے مرکب ہے ''اہل'' اور ''حدیث''۔

اہل حدیث ہر مسئلہ اور ہر فتویٰ کو قرآن وحدیثِ صحیح کی کسوٹی پر پرکھتا ہے خواہ وہ مسئلہ کسی کا بھی ہو ہمارے نزدیک کسی عالم کی کتاب معیار شرعی نہیں معیارِ حق تو محض قرآن وحدیث ہیں۔

لفظ ''من'' عام ہے

ملتانی صاحب صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں ''غیر مقلدین کے نزدیک ''مَنْ'' عام ہے''۔

جواب: یقیناً حدیث عبادہ بن صامت **لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** میں من عام ہے۔ لفظ ''مَنْ'' عربی زبان میں اصلاً عموم ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔

ملتانی صاحب بتائیں کہ مندرجہ ذیل آیتوں میں لفظ ''مَنْ'' عام ہے یا نہیں؟

(۱) وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ (سورہ جن آیت ۲۳)

(۲) وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى (طٰہٰ آیت ۷۶)

(۳) فَمَنِ اتَّبَعَ هُدٰیَ فَلَا يَضِلُّ وَ يَشْقٰى (طٰہٰ آیت ۱۲۳)

حدیث عبادۃ بن صامت ''لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' (بخاری) کے بارے میں علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح بخاری جلد سوم صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے۔

''استدل بهذا الحديث عبد الله بن المبارك و مالك و الشافعي و احمد واسحق و ابوثور و داود عليٰ وجوب القرأة خلف الامام في جميع الصلوات''

اس حدیث سے عبداللہ بن المبارک، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، ابوثور، داود سب محدثین نے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔

ملتانی صاحب تعصب کی عینک اتار کر دیکھئے اتنے بڑے بڑے ائمہ اور محدثین لفظ ''مَنْ'' کو عام مان رہے ہیں اب یہ مقلد ہیں یا غیر مقلد؟

اجتہاد کی حقیقت

سوال یہ ہے کہ ائمہ کرام سے پہلے امت کے افضل ترین لوگ صحابہ کرام و تابعین عظام کس کی تقلید کرتے تھے؟

جواب یہ ہوگا کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، خالص کتاب وسنت پر ان کا عمل تھا۔ پھر ائمہ کرام آئے ان کے دور میں احادیث نبویہ اس طرح اکٹھا نہیں ہوئی تھیں جس طرح بعد میں چل کر اکٹھا ہوئیں۔ لہذا بہت سے پیش آمدہ مسائل جن کے بارے میں ان ائمہ کے پاس احادیث نہیں پہونچی تھیں ان میں انہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور جب بعد میں یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اجتہادات احادیث کے خلاف ہیں تو انہوں نے ان سے رجوع کرلیا اجتہاد کو ایک مثال سے سمجھئے۔

مثلاً رات میں آپ کہیں اتر پڑیں آپ کو عشاء کی نماز ادا کرنی ہے لیکن یہ پتہ نہیں
چلتا کہ قبلہ کدھر ہے آپ نے تحری (اجتہاد) کیا اور آپ نے اپنے اجتہاد کے مطابق ایک
سمت میں قبلہ سمجھ کر نماز ادا کر دی، فجر کی نماز بھی آپ نے اسی طرف رخ کر کے پڑھ لی سورج
نکلنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ آپ نے غلط سمت میں رخ کر کے نماز پڑھی ہے تو اب آپ
ظہر کی نماز کس طرف رخ کر کے پڑھیں گے۔؟

عشاء اور فجر کی نماز جو آپ نے غلط سمت میں رخ کر کے ادا کی تھیں وہ درست ہو
گئیں دونوں نمازوں کو لوٹانے کی ضرورت نہیں لیکن اب سورج نکلنے کے بعد جب یہ واضح
ہو گیا کہ آپ نے غلط سمت میں رخ کر کے نماز پڑھی ہے تو آپ جس طرف قبلہ ہے اس
طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے اب قبلہ کی تلاش کے لئے اجتہاد کی ضرورت نہیں رہی۔

ائمہ کرام کا یہی طریقہ تھا کہ جن مسائل میں انہیں حدیث نہیں ملی ان مسائل میں
انہوں نے اجتہاد کیا لیکن بعد میں جب احادیث مدون ہو گئیں اور معلوم ہوا کہ ان کا کوئی
اجتہاد حدیث کے خلاف تھا تو اس اجتہاد سے انہوں نے رجوع کر لیا۔

جس طرح سورج نکلنے کے بعد یہ ظاہر ہو جائے کہ قبلہ فلاں جانب ہے تو اب
گنجائش نہیں کہ آپ قبلہ چھوڑ کر کسی اور سمت میں نماز ادا کریں۔ اگر آپ نے ایسی حرکت کی تو نماز
مقبول تو درکنار آپ الٹا گنہ گار ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گذرے ہوئے چودہ سو سال ہو گئے اور ائمہ کرام کو
گذرے ہوئے بارہ سو سال ہو گئے فرض کیجئے اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں ائمہ
زندہ ہو کر دنیا میں تشریف لے آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ کرو اور ائمہ
کرام کہیں کہ نہیں اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کرو تو ایسی صورت میں کس کا حکم مانا جائے گا؟
ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات کو تسلیم کر کے اس پر عمل کیا جائے گا اب نہ تو نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں نہ ائمہ کرام بلکہ نبی کی احادیث وسنن موجود
ہیں۔ اور ائمہ کے اجتہادات وآراء۔

اب اگر ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا سنت ہو دوسری طرف کسی امام
کا قول یا رائے ظاہر ہے اس صورت میں امام کے قول کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول
ہی کو لیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے تمام ائمہ جنہوں نے احادیث نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد کیا وہ
اس بات کی تاکید کر کے گئے ہیں کہ ہمارے اجتہادات کے خلاف اگر احادیث مل جائیں تو
ہمارے اجتہادات کو چھوڑ کر احادیث کو حرز جاں بنانا۔

مکھی اور مچھر

ملتانی صاحب صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں، مثلاً حدیث پاک میں ہے کہ کھانے میں اگر
مکھی گر جائے تو غوطہ دے کر اس کو نکال دو اور کھانا کھالو۔ اگر کھانے میں مکوڑا، ٹڈی، مچھر،
جگنو وغیرہ گر جائیں تو کیا حکم ہے۔ چونکہ ان چیزوں کا حکم نہ کتاب وسنت میں ہے اور نہ
اجماع سے ثابت ہے۔ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ نے قیاس شرعی کے ذریعہ ان کا حکم بتایا
ہے اس طور پر کہ انہوں نے مکھی کے بارے میں جو حکم منصوص ہے اس کے اندر غور کیا تو ان کو
اس منصوص حکم کے ضمن میں ایک مخفی قاعدہ کلیہ مل گیا وہ یہ کہ مکھی کی وجہ سے کھانا اس لئے حرام
و ناپاک نہیں ہوتا کہ اس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون موجود نہیں لہٰذا تمام ایسی چیزیں
جن کی رگوں میں گردش کرنے والا خون نہیں ان کا حکم بھی مکھی والا ہوگا۔

جواب: امام ابن حزم نے اپنی کتاب ''المحلی'' صفحہ 149/148 میں اس مخفی قاعدہ کلیہ
پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے ہیں۔ دیوبندی حضرات پہلے امام ابن حزم سے نمٹ لیں۔
(۱) پھر ابوحنیفہ اور مالک نے تفریق کی ہے کہ وہ جاندار جن میں خون نہ ہو اور وہ جاندار جن
میں خون ہو یہ پانی یا سیال چیز میں گر کر مر جائیں اس تفریق پر حیرت ہے کیونکہ یہ فرق قرآن
میں آیا ہے نہ کسی صحیح حدیث میں نہ کسی ضعیف حدیث میں۔
(۲) اور ہم مشاہدے سے جانتے ہیں کہ مچھر میں خون ہوتا ہے اور مکھی میں بھی خون ہوتا ہے
(۳) اگر یہ کہیں کہ خون سے ہماری مراد دم سائل (بہنے والا خون) ہے تو یہ بات اور زیادہ محل

تعجب ہے کیونکہ مردار جانوروں کے خون کے سلسلے میں تقسیم کہاں سے آئی جب کہ ہمارا تمہارا
اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ مردار حرام ہے یہی بات قرآن میں ہے اور مردار
مچھر اور مری ہوئی مکھی اور مرا بچھو حرام ہیں۔
اس میں کسی کا اختلاف نہیں تو تمام حرام مردار جانوروں کے قسموں کے درمیان آپ نے
تفریق کیسے کی۔؟

(۴) آپ نے کہا کہ مکھی میں خون نہیں ہے لہذا جس چیز میں خون نہ ہو وہ سیال چیز میں مر
جائے تو سیال چیز نجس نہیں ہوگی۔ آپ نے قیاس کو اس پر (مکھی کے اندر خون نہیں
ہوتا) کیوں منحصر کیا۔ یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مکھی کے دو پر ہوتے ہیں لہذا جس چیز کے
دو پر ہوں وہ سیال چیز میں گر جائے تو سیال چیز نجس نہیں ہوگی۔

یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے مکھی کی روح ہوتی ہے لہذا ہر ذی روح اگر سیال چیز میں
گر کر مر جائے تو سیال چیز نجس نہیں ہوگی یہ بھی تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مکھی کے پیر ہوتے ہیں
لہذا جس جانور کے پیر ہوں وہ اگر سیال چیز میں گر کر مر جائے تو سیال چیز نجس نہیں ہوگی۔

(۵) آپ نے خون پر نجاست کا حکم لگایا مگر مردار پر نجاست کا حکم کیوں نہیں لگایا اور عجیب
بات تو یہ ہے کہ موت کے بعد مردار میں خون ہوتا ہی نہیں ہے۔ پھر اسکے بعد

دیوبندی حضرات امام شافعی سے نمٹیں:

حضرت امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں "و احب الی ان کل ما کان
حراما ان یو کل فوقع فی ماء فلم یمت حتی اخرج منه لم ینجسه و ان مات
فیه نجسه وذالک مثل الخنفساء و الجعل و الذباب و البرغوث و القملة
و ما کان هذا المعنی"

میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا کھانا حرام ہے وہ پانی وغیرہ میں گر
جائے اور مرنے سے پہلے نکال لی جائے تو پانی نجس نہیں ہوتا۔ اور اگر اس میں مرجائے تو

نجس ہوگا جیسے گبریلا، بھونرا، مکھی، مچھر اور کھٹمل وغیرہ۔

اہل حدیث کا پہلا استدلال:

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مکھی اگر کھانے پینے کی چیز میں گر جائے
تو اسے ڈبو کر پھینک دو پھر اس چیز کو استعمال کر سکتے ہو۔ اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں
معلوم ہوئیں:

(۱) مکھی ایک پتنگا یعنی اڑنے والا کیڑا ہے۔

(۲) جو اڑنے والا کیڑا زہریلا ہو اور کھانے پینے کی چیز میں گر جائے اس چیز کو استعمال نہ کرو

(۳) اگر وہ اڑنے والا کیڑا زہریلا نہیں ہے اور کھانے پینے کی چیز میں گر جائے تو اس چیز کو
استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس پتنگے (اڑنے والے کیڑے) یعنی مکھی کو ڈبو کر نکالنے کا حکم اس لئے دیا کیونکہ اس کے
ایک پر میں زہر اور دوسرے پر میں شفاء ہے اور مکھی جب کھانے پینے کی چیز میں گرتی ہے تو
زہریلے پر کے ساتھ گرتی ہے۔ اس کو ڈبونے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ شفاء والا پر بھی ڈوب
جائے اور زہریلا پن ختم ہو جائے معلوم ہوا کہ جس پتنگے میں سرے سے زہر ہی نہ ہو اس کو
ڈبونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اگر کھانے پینے کی چیز میں گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

اس حدیث میں غور کیا جائے تو ایک بات اور واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مکھی کو
اگر پانی وغیرہ میں ڈبویا جائے تو ڈوبنے کی وجہ سے اکثر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے لہذا
مکھی اگر ڈوبنے کے بعد مر بھی جائے تب بھی کھانے پینے کی چیز استعمال کی جاسکتی ہے۔
ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصریح ضرور فرماتے کہ مکھی کو ڈبونے کے بعد اگر اس کی موت
واقع ہو جائے تو کھانے پینے کی چیز نجس ہو جاتی ہے۔

ملتانی صاحب صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں:

راویوں کی بحث میں حدیث کے ضعف وصحت میں اور حدیث کی وضاحت وتشریح

میں کسی امتی کا قول اوراس کی رائے نہ پیش کرسکیں گے۔

یعنی ملتانی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدیث پر صحیح، حسن، ضعیف، موضوع وغیرہ کا حکم محدث اپنی رائے سے لگاتا ہے۔ اور محدث امتی ہے لہذا حدیث کی صحت وضعف کے باب میں اہل حدیث حضرات امتی کا قول اوراس کی رائے پیش کرنے کے مجاز نہیں۔

جواب: ملتانی صاحب بیچارے اس بات سے جاہل ہیں کہ راویوں پر اس لئے وثوق واعتماد کیا جاتا ہے کہ شریعت نے ہم کواس کے لئے ہدایت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا﴾ الآیۃ (سورۃ الحجرات) یعنی ایمان والوں کو چاہئے کہ جب کوئی فاسق ان کے پاس کوئی خبر لے کرآئے تو فی الفور اس کو قبول کرکے عمل میں نہ لاویں بلکہ پہلے اس کی جانچ پڑتال کرلیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیک صالح آدمی کوئی خبر بیان کرے تو وہ قبول کرنے کے لائق ہے۔ شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ اَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْکُمْ﴾ دوشخص عدل والے گواہ بنالو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں عدالت پائی جاتی ہے تو اس کی گواہی قبول وتسلیم کے لائق ہے۔ اگر کسی کی خبر یا شہادت پر اعتبار نہ کیا جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے گا زانی کو سنگسار نہ کیا جاسکے گا، چور کے ہاتھ نہ کاٹے جاسکیں گے، اسی طرح جب محدّث کسی راوی سے کوئی حدیث لینا چاہتا ہے تو حدیث لینے سے پہلے اس راوی کے بارے میں تحقیق کرتا ہے۔

اگر وہ صالح اور عادل ہے تو روایت قبول کرتا ہے ورنہ نہیں ایسا وہ اپنی رائے سے نہیں کرتا بلکہ قرآن کی ہدایت کی بنا پر کرتا ہے۔ کیا ملتانی صاحب کو اتنا معلوم نہیں کہ حدیث کے رد وقبول کے جتنے بھی اصول، اصول حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ سارے اصول قرآن حکیم سے مستنبط ہیں۔

اس بارے میں ملتانی صاحب کسی اہل حدیث عالم کی کتاب نہیں بلکہ اپنے ہی ایک

مشہور دیوبندی عالم قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''حدیث رسول کا قرآنی معیار'' پڑھ لیتے تو ساری اچھل کود جاتی رہتی۔

قاری محمد طیب صاحب نے اپنی اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ اصول حدیث کے کل اصول قرآن کریم سے مستنبط ہیں۔

مثلا قاری صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن میں اللہ نے جبرئیل کی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جبرئیل قرآن کے راوی اور ناقل ہیں ان کی ایک صفت شدید القوی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ راوی کا حافظہ مضبوط ہو یعنی ضبط تام ہو ایک صفت رسول کریم ہے یعنی راوی عادل ہو۔

غرضیکہ قاری محمد طیب صاحب نے اپنی اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ سارے اصول حدیث قرآن سے مستنبط ہیں گویا راویوں کے بارے میں فیصلہ محدثین کی اپنی آراء وقیاسات سے نہیں بلکہ قرآن کے اصولوں کی روشنی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل حدیثوں کے نزدیک خبر واحد (بشرطیکہ قرائن صحیحہ موجود ہوں) جو حجت ہے وہ قرآن ہی روشنی میں ہے۔

﴿وَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ یَسْعٰی قَالَ یَا مُوْسٰی﴾ (قصص:۲۰)

ایک شخص کے خبر دینے سے موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر نکل پڑتے ہیں۔

کیا قرآن وحدیث کی تشریح میں امتی کا قول پیش نہیں کیا جاسکتا؟

ملتانی صاحب نے صفحہ ۷ پر بڑا زبردست چکمہ دیا ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کو پڑھا جائے اور صرف ترجمہ کیا جائے اور حدیث پیش کی جائے جس کا ترجمہ وہی ہو جو انہوں نے کہا ہے۔

ملتانی صاحب کے علم وعقل دونوں پر افسوس ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے ﴿وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ﴾ (ابراہیم آیت ۴) ہم نے ہر ہر نبی کو اس

کے قوم کی زبان ہی میں بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت کرے۔

یہ آیت بتا رہی ہے کہ تبیین (وضاحت کرنا) یہ انبیاء کی سنت ہے لہذا امتی جب کسی آیت یا حدیث کی وضاحت کرے گا تو یہ نبی کی سنت پر عمل ہوگا۔ بشرطیکہ اس کی وضاحت شریعت کے کسی اصل سے متصادم نہ ہو۔ اور اللہ نے انسان کے بارے میں فرمایا ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (رحمٰن آیت ۴) اس نے (رحمٰن نے) اس کو (انسان کو) بیان سکھایا۔ اور سورہ قیامہ میں فرمایا ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (قیامہ آیت ۱۹) پھر اس کا واضح کرنا ہمارے ذمے ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب کی وضاحت کا کام مفسرین سے لیا قرآن کی ہزاروں تفسیریں اسی آیت کریمہ کی روشنی میں کی گئی ہیں۔

رسول اللہ کے خطبۂ جمعہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے ''یقرأ القرآن و یذکر الناس'' آپ قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ (مسلم کتاب الجمعۃ عن جابر بن سمرۃ)

ملتانی صاحب بتائیں آج امتی اس حدیث پر کیسے عمل کرے گا۔

ملتانی صاحب صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

''حدیث کی صحت وضعف کی دو قسمیں ہیں (۱) صحت وضعف بحسب السند (۲) صحت وضعف بحسب العمل۔

ملتانی اینڈ کمپنی کا یہ خود ساختہ اصول ہے کیونکہ یہ اصول اس حدیث کے خلاف ہے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ''کفی بالمرء ضلالا ان یعمل بکل ما سمع'' (مقدمہ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ جلد اول صفحہ ۵۶) انسان کی گمراہی کے لئے کافی ہے کہ وہ ہر اس بات پر عمل کرنے لگے جو اس نے سنا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک کسی حدیث کی صحت ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت جائز نہیں۔ اور اس پر عمل گمراہی ہے۔

ضعیف حدیث کا حکم

امور شریعت میں جب کسی حدیث کا ضعف بدلائل ثابت ہو جائے تو پھر اس حدیث پر عمل کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ خواہ اس کا تعلق عقائد واحکام سے ہو یا فضائل اعمال، ترہیب و ترغیب اور مناقب وغیرہ سے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہرحال بلا اختلاف علماء زیادہ سے زیادہ ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے۔ اور معاملہ ظن (گمان) کا ہو تو اس پر عمل کا جواز کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں متعدد مقامات پر ظن کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (سورہ نجم آیت ۲۸) یقیناً (بے اصل خیالات) امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ظن سے بچنے کی ہدایت ان تاکیدی الفاظ میں فرمائی ''ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث'' (بخاری) تم گمان سے بچو کیونکہ ظن باتوں میں سے سب سے جھوٹ بات ہے۔

عقلاً بھی یہ چیز نادرست ہے کیونکہ اگر کسی ضعیف حدیث کے بارے میں ہم کسی سے یہ کہیں کہ اس پر عمل کرو اور وہ شخص ہم سے یہ سوال کر بیٹھے کہ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے تو ہمارے پاس اس کے اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ اگر اثبات میں جواب دیں تو سراسر اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھنے کی جسارت ہوگی۔ اور اگر جواب نفی میں دیا گیا تو وہ شخص اس پر عمل کے لئے کبھی آمادہ نہ ہوگا بلکہ یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ جب یہ نہ اللہ کا حکم ہے اور نہ رسول کا تو تمہیں یا تمہارے فقہاء کو شریعت سازی کا اختیار کیسے مل گیا۔ ایسی صورت میں ہمارے پاس لاجواب ہو جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ شخص سرے سے کوئی سوال نہیں کرتا بلکہ ایسے ہی اس پر عمل شروع کر دیتا ہے تو بھی ہم خواہ مخواہ اس پر ایک ایسی چیز مسلط کر دینے کے باعث مجرم قرار پائیں گے جس کا دین سے کوئی تعلق نہ تھا۔

این چہ بوالعجبی ست

ملتانی صاحب صفحہ ۹ پر قمطراز ہیں:

’’محدثین کی مہارت اور ان کی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے‘‘ ماشاء اللہ ملتانی صاحب نے کیا قابلیت دکھائی ہے۔

امام بخاری محدث ہیں مگر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ بخاری کی فقہ ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ ربیعۃ الرائے مشہور محدث ہیں اور امام مالک کے استاذ ہیں محدث ہونے کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے فقیہ تھے کہ ان کے نام کے ساتھ ’’الرائے‘‘ لگ گیا۔

ذرا غور فرمایئے کہ الفاظ کے تغیر سے معنی میں تغیر ہو جاتا ہے اس لئے الفاظ کی حفاظت ضروری ہوئی اب مطلب کھل گیا کہ حفاظِ حدیث جب فقہاء نہیں تو الفاظ کی حفاظت کیسے کریں گے اور تغیر وتبدل سے کیسے بچائیں گے؟

چلو مان لو کہ محدثین کے پاس تفقہ نہیں تو فقہاء کے پاس حدیث نہیں اور تفقہ کا دارو مدار حدیث پر ہے تو فقہاء کو محدثین کے دروازے پر جانا ہے۔ تو فقہاء محدثین کے محتاج ہوئے۔ نیز محدثین کو تفقہ نہیں تو فقہا نے ان حدیثوں پر بھروسہ کر کے کیسے مسائل نکالے اگر روایت میں کمی بیشی ہوگئی تو گویا دین کا مأخذ بے بنیاد و بے ثبوت ہو گیا۔

غلو

ملتانی صاحب صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں ’’سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ان امور کی تحقیق کے لئے‘‘ الخ۔

مقلدین کی زبانیں امام ابوحنیفہ کو امام اعظم کہتے ہوئے نہیں تھکتیں محدثین کے اصول کے مطابق ان کی شخصیت روایت حدیث میں کیسی تھی۔

(۱) کتب ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداود، نسائی) کے جلیل القدر محدثین نے امام ابوحنیفہ سے کوئی روایت نہیں لی کیا یہ اس بات کی کھلی ہوئی علامت نہیں کہ ابوحنیفہ کتب ستہ کے جلیل القدر محدثین کے نزدیک غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔

(۲) امام شافعی یہ دیوبندیہ کے ان چار اسلاف میں سے ایک ہیں جن کی تقلید فرض ہے۔ فرماتے ہیں ’’ابو حنیفة یضع اول المسئلة خطا ثم یقیس الکتاب کله‘‘ (آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم صفحہ ۱۳۴ وسندہ صحیح جدا) ابوحنیفہ ایک مسئلہ کو اصول بناتے ہیں جو سراسر غلط ہوتا ہے پھر اسی غلط اصول پر سارے قیاسی مسائل نکالتے ہیں۔ لہذا ان کے تمام مسائل مجموعہ رائے واغلاط ہوتے ہیں۔

(۳) فن رجال وحدیث وفقہ کے بہت بڑے امام حافظ ابن عبدالبر نے کسی محدث کو مستثنیٰ کئے بغیر بہت واضح طور پر کہا ’’وھو یعنی ابا حنیفة سیئی الحفظ عند اهل الحدیث‘‘

(التمہید لابن عبدالبر شرح موطا جلد ۱۱ صفحہ ۴۸)

چوتھی یا پانچویں صدی کے ابن عبدالبر کی مذکورہ بالا صراحت سے واضح ہے کہ پانچویں صدی کے اواخر تک کسی استثناء کے بغیر تمام محدثین نے امام ابوحنیفہ کو خراب حافظہ والا کہا ہے۔ اور پانچویں صدی کے بعد والے مقلدین ابی حنیفہ کی ان باتوں کا کوئی اعتبار نہیں جو اواخر پانچویں صدی کے تمام محدثین کے خلاف ہو۔

(۴) حُسن رائے الگ چیز ہے توثیق وتعدیل الگ چیز ہے۔ امام صاحب بڑے پرہیزگار تھے بہت بڑے مناظر تھے بہت بڑے قیّاس تھے بالکل ٹھیک ہے۔

مگر امام ابوحنیفہ کی عقیدت میں غلو کرنے کی وجہ سے مقلدین حسن رائے اور توثیق وتعدیل کے درمیان فرق کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔

کیا محدثین مقلد تھے؟

ملتانی صاحب صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں ’’چنانچہ ہر محدث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کا مقلد ہے‘‘

جواب: اسماء الرجال کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کسی نہ کسی کے مقلد تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ محدث بننے کے لئے بہت سے علوم فنون

سے واقف ہونا ضروری ہے اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ عالم کسی کا مقلد نہیں ہوتا۔
المستصفی فی علم الاصول میں امام غزالی نے فرمایا ''التقلید لیس فی شیئی من العلم''
تقلید علم کا درجہ نہیں

اور امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں فرمایا'' و لا خلاف بین الناس ان التقلید لیس بعلم و ان المقلد لا یطلق علیه اسم العالم'' اور مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن طبقات کی کتب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام محدثین مقلد تھے۔
طبقات والوں کا حال ایسا ہے کہ انہوں نے کسی بڑے سے بڑے محدث کو تقلید کے جال میں قید کرنے سے گریز نہیں کیا یہ صرف قلم کی صفائی کا نتیجہ ہے ہر ایک مذہب والے نے ائمہ کرام اور محدثین عظام کو اس پھندے میں گرفتار کرنے کی سعی کی اس سے صرف عوام کو خوش کرنا یا تائید مذہب مقصود تھا۔ بعض دفعہ محض نسبت کی بنا پر ائمہ کرام و محدثین عظام کو تقلید کے زمرے میں شامل کر دیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے نسبت کا تعلق چند امور سے ہوتا ہے جن میں تقلید کا پہلو قطعاً نہیں پایا جاتا۔

(۱) استاذ کی طرف نسبت ہو یعنی کسی محدث کا استاذ کسی ایک مذہب کی طرف نسبت رکھتا ہو۔

(۲) علاقہ میں کسی مذہب کی کثرت ہو تو اس علاقے کی وجہ سے اس کی طرف نسبت مشہور ہو گئی ہو۔

(۳) کسی کا طریق استنباط کسی ایک امام سے ملتا جلتا ہو تو اسی امام کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی ہو۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ مصری صفحہ ۱۵۲ میں فرماتے ہیں ''وکان صاحب الحدیث قد ینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقة له کالنسائی و البیهقی ینسبان الی الشافعی'' جیسے کہ امام نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں لوگ انہیں شافعی سمجھتے ہیں مگر وہ امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں اسی طرح پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو بھی کثرت موافقت کی وجہ سے حنبلی کہہ دیا گیا

ہے ورنہ تقلید زیر بحث سے حضرت پیران پیر کی شان بہت بلند تھی وہ اپنی تصانیف میں عام طور سے احادیث سے سند لاتے ہیں محض امام احمد بن حنبل کے قول کو بطور دلیل نہیں لاتے۔
حالانکہ مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے ''اما المقلد فمستنده قول امامه'' مولانا عبد الحی لکھنوی نے۔ النافع الکبیر صفحہ ۱۳-۱۵ پر لکھتے ہیں'' انما انتسب الیه لسلوکه فی طریقته الاجتهاد'' یعنی کبھی مجتہد کو طریق اجتہاد کی موافقت کی وجہ سے کسی مجتہد کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

(۴) کسی محدث نے کوئی کتاب لکھی اور اس کا اکثر حصہ کسی امام کے اجتہاد کے موافق ہو گیا تو اس کو اسی امام کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

(۵) کسی حکومت کے خوف سے نسبت اس طرف کر دی جس کی طرف حکومت کا میلان ہو۔

(۶) بعد والوں نے طبقات کی تعداد بڑھانے کے لئے ائمہ و محدثین کو تقلید کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

(۷) کسی صاحب مذہب مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تو اس کو مدرسے کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

اس آخری امر کی مثال کے لئے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو پیش کیا جا سکتا ہے جو دار العلوم دیوبند کی دیواروں کے سائے میں فقہی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اور جب دیوبند نمبر شائع ہوا تو انہیں دیوبندیت کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا گیا حالانکہ وہ مسلک اہل حدیث کے پابند اور اس کے داعی تھے مختصر یہ کہ تمام معروف محدثین کرام کسی کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل مجتہد تھے اور مندرجہ بالا وجوہ میں سے کسی وجہ کی بنا پر انھیں کسی مذہب کی طرف منسوب کر دیا گیا۔
جیسا کہ مشہور شافعی امام قاضی ابوبکر قفال کہتے ہیں'' لسنا مقلدین للشافعی بل وافق رأینا رأیه''

حدیث نفس الامر میں:

ملتانی صاحب صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں ''جس حدیث کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے ضروری نہیں کہ وہ نفس الامر میں اسی طرح ہو''

جواب: تمام اصحاب بصیرت جانتے ہیں کہ کسی حدیث پر صحیح، ضعیف و موضوع کا حکم لگانا اجتہادی ظنی یا تخمینی نہیں بلکہ قطعی ہوتا ہے فن حدیث اور سلسلہ اسناد کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ یہ تمام امور محسوسہ ہیں۔ جن کا تعلق یا تو مشاہدات سے ہے یا مسموعات سے۔ اتصال سند توثیق رواۃ ان کا ضابط حافظ ہونا راوی و مروی عنہ کی معاصرت اور آپس میں لقاء و سماع وغیرہ سب امور مسموعات یا مشاہدات ہی تو ہیں اسی وجہ سے جب کسی حدیث پر جملہ قرائن و شواہد و دلائل کی تحقیق کے بعد اس پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے تو یہ حکم قطعی اور قابل یقین ہوتا ہے اگر اس میں ذرا سا بھی شبہ موجود ہو تو وہ حدیث، صحیح کے درجے کو پہنچتی ہی نہیں ہے۔ لہذا محدث کو بر بنائے اسناد و دلائل و قرائن و شواہد و شرائط حدیث کی صحت اور اس کے واجب العمل ہونے پر جزم ہوتا ہے۔ جہاں تک حکم صحت و حسن و ضعف کا فقط ظاہری کی حیثیت سے ہے تو یہ بھی کوئی تشویش کی بات نہیں ہے کیوں کہ شارع نے اپنے بندوں کو نفس الامر کی تلاش کے لئے مکلّف نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ اس کا جو کچھ بظاہر موجود ہو خواہ وہ نفس الامر اور واقع کے خلاف ہی ہو۔ جیسا کہ حافظ ابن رجب حنبلی نے بصراحت فرمایا ہے۔

''و الشارع لم یکلف العباد بما فی نفس الامر بل بما ظھر و بدا و ان کان مخالفالنفس الامر'' اس سلسلے میں ابن حجر مکی الہیثمی اور ملا علی قاری وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ صحیح موضوع ہو یا اس کے برعکس انتہائی مضحکہ خیز اور خطرناک ہے۔ کیوں کہ اگر کسی حدیث کی تصحیح و تحسین و تضعیف اور موضوع ہونے کے حکم میں شکوک و شبہات پیدا کر دئے جائیں تو اس کا نتیجہ ہوگا کہ حدیث کا پورا ذخیرہ مشکوک، مشتبہ و غیر یقینی علم کا ذریعہ بن کر رہ جائے گا۔ پھر کوئی مسلمان کسی موضوع روایت کو اس احتمال کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتا کہ

ہو سکتا ہے وہ نفس الامر میں صحیح ہو اور کسی صحیح حدیث پر اس لئے عمل نہیں کر سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نفس الامر میں موضوع ہو۔ لہذا جب حدیث کا پورے کا پورا ذخیرہ مشکوک و مشتبہ اور غیر یقینی علم کا ذریعہ ٹھہرا تو کوئی حدیث حجت شرعیہ کیسے بن سکتی ہے۔

ملتانی صاحب بتائیں کہ کیا اس سے در پردہ حدیث کا انکار لازم نہیں آ رہا ہے۔؟

امام ابو حنیفہ تک حدیث صحیح تھی ضعف بعد میں آیا

ملتانی صاحب صفحہ ۱۱ اور ۱۲ پر لکھتے ہیں ''ان کے (امام ابو حنیفہ کے) زمانے تک حدیثیں سند کے اعتبار سے صحیح تھیں ضعف بعد میں پیدا ہوا۔

جواب: امام ابو حنیفہ تک حدیث صحیح تھی ضعف بعد میں طاری ہوا یہ ایک دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے۔

ملتانی صاحب چند ایسی احادیث پیش کریں جو کتب احادیث میں موجود ہوں اور امام ابو حنیفہ سے اوپر ان کی اسانید ضعف اور جرح سے پاک ہوں ملتانی صاحب کے خود ساختہ اصول کے پیش نظر اگر کوئی کہہ دے کہ وہ حدیث جسے آج ضعیف یا موضوع بتا رہے ہو جب میرے رسول ﷺ نے یہ حدیث فرمائی تھی تو بالکل صحیح تھی ضعف بعد میں طاری ہوا تو کیا آپ اس بات کو تسلیم کریں گے۔

نیز مشاہدہ بھی اس اصول کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ بہت سی روایتیں جو ابو حنیفہ کے شاگردان سے روایت کرتے ہیں ضعیف موجود ہیں پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایتیں بعد میں ضعیف ہوئیں۔

نیز اسی طرح ہر مذہب کا مقلد کہنے لگ جائے کہ میرے امام نے اس حدیث سے جب استدلال کیا تھا تو وہ صحیح تھی ضعیف بعد میں ہوئی تو ملتانی صاحب اس کا کیا جواب دیں گے اور شوافع نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اس کو ضعیف کیوں قرار دیتے ہو؟

لفظ قروء کی بحث

ملتانی صاحب صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں ﴿ وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ﴾ (بقرہ) مطلقہ عورتیں تین قروء انتظار کریں۔قرء کے معنی لغت میں حیض بھی ہے اور طہر بھی۔غیر مجتہدین کے لئے ضروری ہے کہ مسائل اجتہادیہ کی تینوں قسموں میں اس مجتہد کی تقلید کریں۔الخ

ملتانی صاحب اس میں کسی مجتہد کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے اگر ایک لفظ کے دو معنی ہیں مگر کوئی حدیث اس لفظ کا ایک معنی بتاتی ہے تو وہی لے لیا جائے۔جیسے یہی لفظ قرء ہے لغت میں اس کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی اب ایک حدیث دیکھئے ”عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ فی المستحاضۃ تدع الصلوٰۃ ایام اقرائھا ثم تغتسل و تصلی والوضوء عند کل صلوٰۃ“ (ابوداود کتاب الطہارۃ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے اور ہر نماز کے وقت وضو کرے۔

مذکورہ بالا حدیث میں قرء کا معنی حیض ہے لہذ اقرء کے معنی حیض لینا حدیث کے مطابق ہے۔

کیا اہل حدیث امام بخاری کی تقلید کرتے ہیں؟

مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید سے کون خالی ہے۔تم بھی تو بخاری کی تقلید کرتے ہو۔واہ میاں: ذرا بتاؤ کہ اگر ایلچی حاکم وقت کا حکم سنادے تو وہ حکم ایلچی کا ہوگا یا حاکم وقت کا؟ کیا تم اس سے یہ کہہ سکتے ہو کہ جا ہم تیری بات نہیں مانتے انصاف سے سوچ کر بولو کہ کیا کہو گے؟

خیر اس کو جانے دو تمہارے درمیان اور امام ابوحنیفہ کے درمیان صدہا برسوں کا فاصلہ ہے اور ہدایہ، کنز الدقائق، عالمگیری، قدوری، درمختار کے مصنفین کے درمیان سیکڑوں برس کا فاصلہ ہے اور تم لوگ ان کے فتووں پر ایمان داعتقاد رکھتے ہو اور ان پر عمل کرتے ہو اور

خالص حنفی کہلاتے ہو۔مگر کوئی عقل کا دشمن یہ نہیں کہتا کہ میں ہدایہ، درمختار وغیرہ کے مصنفین کا مقلد ہوں۔اگر کوئی یہ کہے کہ شاگرد بھی تو استاذ کی نقل کرتا ہے اس لئے کہ استاذ جو کہتا ہے اس کو وہ قبول کر لیتا ہے۔یہی تقلید ہے یہ اس کی بڑی غلطی ہے۔

اولا یہ بتائیے کہ تقلید تو اس وقت ہوگی جب شاگرد استاذ کی ایجاد کردہ باتوں کو تسلیم کرے۔کیا استاذ اس کو اپنا اجتہاد پڑھاتا ہے یا کہ نقل سکھاتا ہے۔اگر نقل سکھاتا ہے تو یہ تقلید نہیں۔اگر اسی کو تقلید کہتے ہیں تو تم امام صاحب کے اقوال کو کس کے کہنے سے قبول کرتے ہو اگر صاحب ہدایہ، درمختار وغیرہ کے کہنے سے قبول کرتے ہو تو، اب ذرا انصاف سے بتاؤ کہ ہدایہ وغیرہ میں کس کی باتیں ہیں؟ کیا یہ رسول کی باتیں ہیں؟ یا امتیوں کی؟

ذرا دیر کو یوں ہی تسلیم کرلو کہ قرآن وحدیث سے نکالی ہوئی ہیں مگر اللہ کے بندو یہ عین کلام نبی تو نہیں بوئے مشک ہے مگر مشک تو نہیں؟

قبول روایت تقلید نہیں

محدثین نے جو احادیث جمع کیں اور لکھیں ان احادیث کا ان سے لینے والا ان کا مقلد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ احادیث ان محدثین کا قول نہیں ہے بلکہ وہ رسول کی احادیث ہیں جن کو محدثین روایت کرتے ہیں اور محدثین اور دیگر رواۃ حدیث تو محض ایک واسطہ ہیں۔جیسا کہ کتب فقہ کے مولفین اور دیگر حنفی علماء امام ابوحنیفہ کے قول کے نقل کے لئے محض ایک واسطہ ہیں اور ان سے لینے والے ان کے مقلد نہیں کہلاتے اس کے علاوہ اگر نقل وروایت کرنے والے کی روایت کردہ بات کو ماننے والا اس کا مقلد کہلائے تو ماننا پڑے گا کہ ائمہ اربعہ بھی مقلد تھے اس لئے کہ انہوں نے بھی تو احادیث آخر رواۃ حدیث اور محدثین ہی سے لی ہیں خود انہوں نے وہ احادیث پیغمبر کی زبان سے نہیں سنیں حالانکہ ان کا مقلد ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا پس اہل حدیث محدثین کی روایت کردہ حدیثوں کو لینے سے ان کے مقلد نہیں کہلائے جا سکتے۔

صحیح، صریح مرفوع متصل حدیث کا مطالبہ

ملتانی صاحب نے جگہ جگہ یہ لکھا ہے کہ غیر مقلدین اس بات پر اور اس بات پر صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کریں۔ لگتا ہے جعلسازی، چکمہ دہی، آنکھوں میں دھول جھونکنا، ملتانی صاحب کی فطرت ثانیہ ہے۔

حدیث کا ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ حدیث صحیح اسے کہتے ہیں جس میں پانچ شرطیں پائی جائیں۔ پانچ شرطوں میں تین شرطیں ثبوتی ہیں اور دو شرطیں عدمی ہیں۔

☆ پہلی ثبوتی شرط اتصال سند ہے،

☆ دوسری ثبوتی شرط عدل راوی ہے،

☆ تیسری ثبوتی شرط ضبط راوی ہے،

☆ پہلی عدمی شرط عدم علۃ ہے،

☆ دوسری عدمی شرط عدم شذوذ ہے

صحیح حدیث کہتے ہی ہیں اس حدیث کو جس کی سند متصل ہو اور مرفوع ہو اگر سند صحابی پر رک جائے تو اس حدیث کو حدیث موقوف کہتے ہیں۔ اب صحابی اگر بغیر رفع کے کوئی ایسی بات کہتا ہے جو عقل سے نہیں کہی جا سکتی تو وہ حکما حدیث مرفوع ہے۔ آیئے میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔

"عن جابر بن عبد الله قال جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله يخطب فجلس فقال له يا سليك قم فاركع ركعتين و تجوز فيهما ثم قال اذا جاء احدكم يوم الجمعة و الامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما" (مسلم کتاب الجمعۃ)

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ سلیک غطفانی جمعہ کے دن آئے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کھڑے ہو جاوے سلیک اور دو رکعتیں ہلکی

پڑھو۔ پھر آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیئے کہ دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے۔

یہ حدیث صحیح صریح مرفوع متصل ہے تو پھر دیوبندیہ کا اس حدیث پر عمل کیوں نہیں ہے۔ امام خطبہ دے رہا ہو اور اگر کوئی دیوبندی جمعہ کے دن اس حال میں آئے تو دو رکعت سنت کیوں نہیں پڑھتا؟

کیا حدیث وسنت میں فرق ہے؟

جو کام نبی نے ہمیشہ کیا ہو وہ سنت ہے جو کام کر کے چھوڑ دیا ہو یا کبھی کیا ہو بعد میں نہ کیا ہو سنت نہیں؟

جواب: بلاشبہ حنفیہ کا یہی موقف ہے کہ سنت وہی ہے جس پر ہیشگی ثابت ہو اور اس ہیشگی میں ان کا یہ بھی موقف ہے کہ وہ فعل بطور عبادت ہو۔ چنانچہ مولانا ظفر تھانوی فرماتے ہیں: "لكن المواظبة لا تفيد السنة الا اذا كانت على سبيل العبادة و اما اذا كانت على سبيل العادة تفيد الاستحباب و الندب لا السنية ، كلبس الثوب والاكل باليمين و مواظبة النبى على التيامن كانت من قبيل الثانى فلا تفيد السنية كذا فى شرح الوقاية" (اعلاء السنن صفحہ 118)

ڈھٹائی دیکھیے حنفی دیوبندی کے نزدیک جو کام رسول نے ہمیشہ کیا ہے وہ بھی سنت نہیں بلکہ ان کے نزدیک کسی فعل کے مسنون ہونے کے لئے پہلے فقہاء کی دستخط ضروری ہے۔ وہ جسے سنت قرار دیں وہ سنت اور جسے سنت سے خارج کر دیں وہ خارج از سنت۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، دائیں ہاتھ سے وضو کی ابتداء کرنا، بطور عادت تھا عبادت نہ تھا یہ سب جھوٹے بہانے سنت کو قبول نہ کرنے کے ڈھونگ ہیں۔

دیوبندیوں کے نزدیک نماز کی سنتیں چوبیس ہیں۔ اب میں کہتا ہوں کہ ہر ایک عدد

پر حنفی ایک حدیث پیش کردے۔ کہ اللہ کے رسول نے انہیں ہمیشہ آخری نماز تک کیا ہے۔ کبھی ترک نہیں کیا اور ان افعال کو بطور عبادت کرتے تھے بطور عادت نہیں اگر کوئی حنفی ان چوبیس سنتوں پر ایسی حدیث پیش کردے تو ہم مان لیں گے کہ سنت وہی ہوتی ہے مگر پوری دنیا کے مرجی اکٹھا ہو کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں جو فعل جس حالت و کیفیت میں رسول سے ثابت ہے خواہ وہ زندگی میں ایک ہی بار کیا ہو یا زیادہ بار وہ فعل سنت رسول ہے۔ بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو۔ حسب ذیل میں ہم ان سنن کی نشاندہی کرتے ہیں جو رسول نے ایک ہی بار کیا ہے مگر پوری امت مرحومہ کے نزدیک وہ افعال سنت ہیں۔

(۱) رسول نے ایک ہی بار ہجرت کی ہے۔

(۲) اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر صرف ایک بار کی ہے۔

(۳) تبلیغ کے لئے دور کا سفر صرف ایک بار طائف کا کیا ہے۔

(۴) رسول نے کعبہ میں نماز ایک ہی بار پڑھی ہے۔

(۵) رسول نے ایک ہی بار تبلیغ کے لئے وفد بھیجا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بئر معونہ کا المناک حادثہ پیش آیا۔

(۶) رسول نے صرف ایک بار معراج کی رات تمام انبیاء کی امامت فرمائی تو کیا جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور امام مہدی امامت فرمائیں گے تو امام مہدی کا یہ فعل غیر مسنون ہوگا۔

(۷) رسول نے صرف ایک بار خندق کھودی تھی تو کیا اب جہاد کے لئے مورچے بنانا غیر مسنون ہے۔

(۸) سورج گرہن کا واقعہ صرف ایک بار پیش آیا اور نماز کسوف ایک ہی بار ادا کی گئی۔

(۹) رسول اپنی والدہ کی قبر پر ایک ہی بار گئے تو کیا والدین کی قبروں پر جانا غیر مشروع ہے۔

(۱۰) رسول نے حج ایک ہی بار کیا ہے تو کیا حج ایک ہی بار مسنون ہے۔

تلك عشرة كاملة ـ

دیو بند یہ بتائیں کہ ترمذی شریف، ابن ماجہ، بیہقی، دارمی یہ سب حدیث کی کتابیں سنن ہیں یعنی ان کے مؤلفین نے ان حدیث کی کتابوں میں سنتیں جمع کی ہیں کیا ان کتابوں میں احادیث نہیں ہیں، پھر کیا ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ حنفیوں کی یہ بات مان لی جائے تو نبوت پر سے ایمان اٹھ جائے گا اور ہر خود غرض بدعتی رسول اللہ کے اقوال و افعال کو یہ کہہ کر رد کردے گا کہ یہ ایک آدھ بار کا واقعہ ہے۔ لہذا یہ سنت اور قابل عمل نہیں۔

بے بصیرتی کی ایک افسوسناک مثال:

ملتانی صاحب صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں: ”کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسی ترتیب کے ساتھ اکٹھا قرآن میں دکھادیں یا صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں دکھادیں۔

پہلی حدیث: ”**عن ابن عمر قال قال رسول الله بنی الاسلام علیٰ خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله**“ (بخاری کتاب الایمان)

ملتانی صاحب بتائیں کہ حدیث میں اسلام کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** کی گواہی دے تو گواہی کیسے دی جائے گی۔ حدیث کی روشنی میں دو طرح سے گواہی دی جاسکتی ہے۔

(۱) **اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله**

(۲) **لا اله الا الله محمد رسول الله**

دوسری حدیث: ابن عباس سے روایت ہے کہ معاذ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ نے بھیجا تو فرمایا ”**انک تاتی قوما من اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا الله وانی رسول الله**“ (مسلم کتاب الایمان) ملتانی صاحب بتائیں کہ رسول اللہ نے معاذ سے یہ کہا کہ تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس آوگے تو ان کو لا الہ الا اللہ کی گواہی کی طرف بلانا اور یہ کہ میں رسول اللہ ہوں۔ تو حضرت معاذ اس حدیث کی روشنی میں اہل کتاب کی اس قوم سے کیا کہتے؟ یہی کہتے نا کہ کہو ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

اور یہ اعتراض

نبی نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا وضو کے بعد بیوی کا بوسہ لیا، اپنی نواسی امامہ کو نماز کی حالت میں اٹھایا ہے۔اس پر یہ اعتراض ہیکہ اہل حدیث کھڑے ہوکر پیشاب کیوں نہیں کرتے وضو کے بعد فوراً بیوی کو بوسہ کیوں نہیں لیتے ،نماز میں اپنی بچیوں کو کیوں نہیں اٹھاتے۔

اس کا جواب خود ایک حنفی عالم تقی عثمانی نے درس ترمذی صفحہ 20-12 میں دیا ہے۔

کہ رسول اللہ کے گھٹنے میں اس وقت درد تھا جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا دوسری توجیہ عثمانی صاحب نے یہ کی ہے کہ آپ نے یہ بیان جواز کے لئے کیا تھا۔

لہذا راقم الحروف علی وجہ البصیرت کہتا ہے کہ کھڑے ہوکر عذر کی وجہ سے پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت پر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔اگر کوئی حنفی یہ اعتراض کرے کہ حدیث ''بال قائما'' میں عذر کا لفظ دکھائیں تو ہم کہیں گے اے اندھے مقلد! حدیث میں صراحت ہے کہ آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب گھورے پر کیا ہے عذر کے لئے گھوری قوی قرینہ ہے کیونکہ گھوری پر گندگی ہوتی ہے۔

آج بس اسٹیشن اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ کے پیشاب گھروں میں بیٹھ کر پیشاب کرنے میں کافی دقت ہے۔ لہذا ایسی جگہوں پر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔رہا اپنی نواسی امامہ کو نماز میں اٹھانا تو جواب یہ ہے کہ امامہ کی حفاظت ونگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا لہذا اگر کسی آدمی کے پاس چھوٹی بچی ہو اور اس کی ہمیشہ دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو تو بچی کو نماز میں اٹھالے تو مکروہ نہیں یہ فعل نبوی بیان جواز کی تشریح کے لئے تھا غرضیکہ یہ فعل رسول ایک ضرورت کے تحت تھا اور آج بھی ضرورت کے تحت جائز ہے۔

نیز اگر کوئی وضو کے بعد اپنی بیوی کا بوسہ لیا کرے تو کیا حرام ہے؟ اور رنڈی کا بوسہ لینا کار ثواب ہے؟

مصافحہ

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی پہلی صحیح صریح مرفوع متصل روایت:

''حدثنا عبد الوارث بن سفیان قال حدثنا قاسم بن اصبغ حدثنا ابن وضاح حدثنا یعقوب بن کعب حدثنا مبشر بن اسمعیل عن حسان بن نوح عن عبید اللہ بن بسر ترون یدی ھذہ صافحت بھا رسول اللہ'' (اخرجہ ابن عبد البرفی التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید)

حضرت عبید اللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ تم لوگ میرا یہ ہاتھ دیکھ رہے ہو میں نے اس سے رسول اللہ سے مصافحہ کیا ہے۔

دوسری حدیث: ''عن انس بن مالک قال صافحت بکفی ھذہ کف رسول اللہ فما مسست خزا و لا حریرا الین من کف رسول اللہ'' (حوالہ سابق)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس ہتھیلی سے رسول اللہ کی ہتھیلی سے مصافحہ کیا ہے۔

دیوبندیہ کہتے ہیں کہ یہاں ''ید'' ،جنس ہے۔

جواب: ''ید'' کو جنس ٹھہرا کر مقصد حاصل کرنا غیر مسلم ہے۔ کیونکہ لفظ ''ید'' و ''کف'' مفرد ہے ان سے تثنیہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ مذکورہ دونوں روایتوں میں ''ھذہ'' قرینہ صارفہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ اور ایک ہی ہتھیلی مراد ہے ورنہ دو ہاتھ کی صورت میں ''ترون یدی ھاتین اور صافحت بکفی ھاتین'' ہوتا۔ رہا بخاری شریف کی اس حدیث کا معاملہ جس میں تشہد کے وقت ابن مسعود کا ایک ہاتھ نبی کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔

بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ کفی سے ابن مسعود کے دونوں ہاتھ مراد ہیں تو کفی بین کفیہ کا معنی یہ بنے گا کہ ابن مسعود کے دونوں ہاتھ رسول کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے۔ تو اس طرح مصافحے کی صورت نہیں بنتی کیونکہ ابن مسعود کی ہتھیلی تو رسول اللہ کی

ہتھیلی کے ساتھ مس نہیں ہوئی اس طرح کے مصافحہ کے تو حنفی حضرات بھی قائل نہیں۔

دیوبندی حنفی پیارے! آپ ذرا میری طرف ہاتھ بڑھائیں دونوں ہاتھ آگے کریں دیکھو مصافحہ ہو رہا ہے؟ آپ کے دونوں ہاتھ ہیں لیکن میرے دو ہاتھوں کے درمیان جو ہاتھ آ رہا ہے وہ صرف ایک ہاتھ ہے دوسرا تو باہر ہے۔ اس طرح میرا بھی ایک ہی ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان ہے۔ اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ صحابی نے دو ہاتھ دیا تھا۔

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کا فرمان

"کوئی چیز لینا، کھانا پینا، مصافحہ کرنا، وضو کرنا دائیں ہاتھ سے مستحب ہے۔ اور استنجا کرنا، گندے کاموں جیسے میل دور کرنا، ناک صاف کرنا، استنجا کرنا اور پلیدی دھونے کا کام بائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے (غنیۃ الطالبین ترجمہ شمس بریلوی صفحہ ۷۱)

فطرت کا فیصلہ: کسی چھوٹے بچے سے کہئے کہ بیٹے مصافحہ کرو آپ دیکھیں گے وہ ایک ہی ہاتھ آگے بڑھائے گا۔

عقل کا فیصلہ: کسی سے آپ نے مصافحہ کیا اتفاق سے وہ آپ کا دشمن تھا اگر آپ نے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا تو آپ کے دونوں ہاتھ اس کی گرفت میں ہوں گے اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو ایک ہاتھ مدافعت کے لئے آزاد رہے گا

بخاری شریف کی دُہائی

حماد بن زید نے عبداللہ مبارک سے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا امام بخاری باب المصافحہ میں تین روایتیں لائے ہیں۔

پہلی حدیث: ابن مسعود نے کہا کہ نبی نے مجھے تشہد سکھایا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

دوسری روایت: قتادہ کہتے ہیں میں نے انسؓ سے پوچھا کیا اصحاب رسول مصافحہ کرتے تھے انہوں نے کہا ہاں۔

تیسری روایت: عبداللہ بن ہشام نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس تیسری حدیث پر باب المصافحہ ختم ہو گیا۔

اس کے بعد امام بخاری نے دوسرا باب باندھا ہے۔ **باب الاخذ بالیدین وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیه**

اس باب کے تحت ابن مسعود کی وہی روایت لائے ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ ان کا ہاتھ نبی کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔

چونکہ یہ حدیث مصافحہ کے باب میں موزوں نہیں تھی اس لئے امام بخاری نے اس کو الگ باب کے ساتھ ذکر کیا۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ مصافحہ میں ایک ہاتھ تھامنا اگرچہ صحیح نہیں مگر دوسرے مقصد (تشہد وغیرہ سکھانے) کے لئے جائز ہے۔

غور کیجئے حماد بن زید کا عمل مصافحہ کے باب میں نہیں لائے دوسرے باب **باب الاخذ بالیدین** میں لائے اور یہ بتا دیا کہ تابعی کا عمل (دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا) جو رسول کے عمل کے خلاف ہو حجت شرعی نہیں۔

ٹوپی کا مسئلہ

نبی کا اگر ننگے سر نماز پڑھنا یا حکم دینا یا صحابہ کرام کا پڑھنا صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو آپ کو کیا پریشانی ہے۔

دلیل سنئے: "**عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال " اذا کان الثوب واسعا فالتحف به یعنی فی الصلوة وفی مسلم فخالف بین طرفیه فان کان ضیقا فاتزر به**" (متفق علیہ)

جب کپڑا کشادہ ہو تو نماز میں اوڑھ لے مسلم میں اوڑھنے کا طریقہ بتایا گیا کہ کپڑے کے دونوں کنارے خلاف طور پر کر لے یعنی خلاف طور پر کندھے پر ڈال لے اگر کپڑا تنگ ہو تو بند باندھ لے۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی روایت میں سر کا ڈھانکنا ضروری ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔ عورتوں کے لئے آپ نے فرمایا کہ ان کا سر ستر میں شامل ہے نماز میں عورت کے لئے سر ڈھانکنا ضروری ہے۔ اگر عورت کا سر ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حدیث "لاتقبل صلوٰۃ حائض الا بخمار" مرد کی نماز میں ننگے سر سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دوسری روایت: حضرت عمر بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ "انه رای النبی یصلی فی ثوب واحد فی بیت ام سلمة قد القی طرفیه علی عاتقیه" (بخاری کتاب الصلوۃ)

عمر بن سلمہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ام سلمہ کے گھر میں اور آپ نے اپنے کپڑے کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔

حنفی یہ کہتا ہے ننگے سر کا لفظ دکھا وضروری نہیں کہ کپڑا ایک ہو تو سر ضرور ننگا ہو جائے۔ ایک بڑی چادر کے اندر آدمی اچھی طرح لپٹ جائے تو سر بھی ڈھک سکتا ہے۔

اب 'میں نہ مانوں' کا تو دنیا میں کوئی علاج نہیں اس حدیث سے سر کا ننگا ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ حدیث میں جو کیفیت کپڑے کو بدن پر ڈالنے کی بیان کی گئی ہے۔ اس کی روشنی میں دیوبندیہ کپڑے کو سر پر ڈال کر دکھائیں۔

تیسری حدیث: "عن ابن شهاب اخبرنی ابو سلمة عن عبد الرحمن بن عوف سمع ابا هريرة يقول اقيمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان يخرج الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتى رسول الله حتى اذا قام مصلاه و قبل ان يكبر ذكر فانصرف وقال لنا مكانكم فلم نزل قياما ننتظره حتى خرج الينافكبر فصلى بنا وقد اغتسل ينطف رأسه ماء" (محلی ابن حزم صفحہ ۱۱۴)

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوئی ہم نے کھڑے ہو کر صفیں درست کیں رسول اللہ آئے اور مصلے پر کھڑے ہوگئے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے آپ کو یاد آیا آپ پلٹے اور ہم سے کہا ٹھہرے رہو، ہم ٹھہرے آپ کا انتظار کرتے رہے آپ آئے تو غسل کئے ہوئے تھے اور

آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا آپ نے تکبیر کہی اور ہمیں نماز پڑھائی۔ ملتانی صاحب ثابت کریں کہ آپ نے ٹوپی لگا رکھی تھی۔

فقہائے احناف نے لکھا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اصول فقہ میں ہے کہ مکروہ وہ چیز ہوتی ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل سے اس کا ثبوت ہو مگر قرآن میں اس کی ممانعت نہ ہو۔

اس اصول فقہ کی روشنی میں نتیجہ نکلتا ہے کہ ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت پر کوئی آیت قرآنیہ موجود نہیں۔ ہاں حدیث موجود ہے۔ سوال یہ ہے وہ حدیث کہاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یقین جانئے پوری دنیائے حنفیت سر توڑ کوشش کرلے مگر ایک حدیث نہیں دکھا سکتی۔

نیز عہد نبوی میں عمامے اور دو قسم کی ٹوپیاں ہوتی تھیں "قلانس" یعنی گول ٹوپیاں اور "برانس" ترکی ٹوپیاں یہ بھی بڑی اور گول ہوا کرتی تھیں اور یہ ٹوپیاں اور عمامے سر کی زینت اور حفاظت کے لئے پہنے جاتے تھے۔

موجودہ دور کی ٹوپیاں دیکھئے. کانگریسی ٹوپیاں، بہرہ ٹوپیاں، عامر کلیمی ٹوپیاں، دیوبندی ٹوپیاں، بریلوی ٹوپیاں، رفاعی عمامے، پھر مختلف رنگوں والے عمامے، کالے عمامے، ہرے عمامے، پیلے عمامے۔ اب بتایئے کون سی ٹوپیاں اور عمامے پہننا سنت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ٹوپیاں اور عمامے رسول کی محبت اور رسول کی سنت سمجھ کر نہیں پہنے جاتے بلکہ مختلف فرقے والے اپنے اپنے بزرگوں اور مرشدوں کی عقیدت میں اور ان سے اپنی نسبتوں کے اظہار کے لئے پہنتے ہیں۔

ذخیرۂ احادیث میں سے کسی حدیث میں ٹوپی اور عمامے کو آداب صلوٰۃ میں سے نبی کریم نے نہیں شمار کیا ہے۔ جب کہ عورتوں کے بارے میں آپ نے صاف فرمایا کہ بغیر دوپٹے کے عورت کی نماز نہیں ہوتی مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ بغیر ٹوپی کے مرد کی نماز نہیں ہوتی۔

قدم سے قدم کندھے سے کندھا ملانا

"عن انس عن النبی قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه" (بخاری کتاب الاذان)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا تم اپنی صفیں سیدھی رکھو میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے چمٹا دیتا تھا

مذکورہ بالا حدیث انس غور سے دیکھیں کہ اقامت صفوف، کندھے سے کندھا ملانا اور قدم سے قدم ملانا ہے۔ اور کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملایا جائے تو قدموں کا درمیانی فاصلہ نکل آتا ہے کیونکہ اگر نمازی اپنے قدموں کو کشادہ کر کے نہ رکھے تو پاؤں مل ہی نہیں سکتے۔ پاؤں تبھی مل سکتے ہیں جب نمازی کندھوں جتنا فاصلہ قدموں میں بھی رکھے۔ یہ سیدھی سی بات ہے جو دیوبندیوں کی الٹی کھوپڑی میں نہیں آتی۔ اور ہمارے ملتانی صاحب نے تو رسول کی سنت اور صحابہ کی اس سنت پر عمل کو حقارت سے "ٹانگیں چوڑی کرنے" سے تعبیر کیا ہے۔

آل دیوبند کے سرخیل مولانا رشید صاحب گنگوہی فرماتے ہیں "درمیان دونوں قدموں مصلی (نمازی) کے فاصلہ بقدر چہار انگشت ہونا چاہئے (فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۹۱)

اس صورت میں دو نمازیوں کے درمیان چار انگلیوں کے برابر فاصلہ ہوا اس مسئلے پر حنفی کوئی صحیح حدیث دکھا دیں تو ہم مانیں۔

نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا

ملتانی صاحب صفحہ ۳۲ پر رقمطراز ہیں۔

سنی حضرات نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں جب کہ غیر مقلدین کندھوں تک اٹھاتے ہیں اصل حقیقت کیا ہے؟

جواب: اصل حقیقت کا آپ کو اچھی طرح پتہ ہے مگر اصل حقیقت اگر آپ نے ظاہر کر دی تو اہل حدیثوں پر ناروا الزام کیسے لگائیں گے سیدھی سادی عوام کو حدیثوں سے برگشتہ کیسے کریں گے۔

ملتانی صاحب اصل حقیقت یہ ہے کہ اہل حدیثوں کا دونوں طرح کا عمل ہے وہ نماز شروع کرتے وقت کاندھوں تک بھی ہاتھ اٹھاتے ہیں اور کانوں کی لو تک بھی، مگر حنفیہ کی طرح کانوں کی لو کو کھجاتے نہیں۔ چونکہ اس سلسلے میں دونوں روایتیں موجود ہیں اور دونوں صحیح صریح مرفوع متصل ہیں لہذا اہل حدیث دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔

پہلی حدیث: "رفع یدیه حتی تکونا بحذو منکبیه" (مسلم کتاب الصلوۃ عن عبد اللہ بن عمرؓ)

رسول اللہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں مونڈھوں تک اٹھاتے۔

دوسری حدیث: "رفع یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه" (مسلم کتاب الصلاۃ عن مالک بن الحویرث) رسول اللہ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کی لو تک اٹھاتے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا یا سینے پر

ملتانی صاحب صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں: کیا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی دلیل ہے؟

جواب: جی ہاں دلیل تو ہے مگر انتہائی کمزور اور بوگس ہے۔ کیونکہ تحت السرة (ناف کے نیچے) ہاتھ باندھنے کی جتنی بھی روایتیں آئی ہیں سب کی سند میں ایک راوی ہے جس کا نام عبدالرحمٰن بن اسحٰق واسطی ہے اور یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی بہت سی روایتیں ہیں سر دست تین روایتیں پیش کرتا ہوں۔ "عن طاؤس قال کان النبی ﷺ یضع یده الیمنی علی یده الیسری ثم

يشدهما على صدره وهو في الصلوٰة" کہ رسول اللہ نماز میں دونوں ہاتھوں کو مضبوطی سے اپنے سینے پر باندھ لیتے۔ یہ حدیث مرسل ہے مگر احادیث مرسلہ حنفیہ کے یہاں معتبر ہیں۔

دوسری حدیث: "**عن قبیصه بن هلب قال رأيت النبي ينصرف عن يمينه و عن يساره و يضع يده على صدره**" (مسند احمد)

اس حدیث کی سند کو البانی نے حسن ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں صحیح مانا ہے۔

علامہ مبارکپوریؒ نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں و رواة هذا الحديث كلهم ثقات و اسناده متصل اس حدیث کے تمام راوی ثقہ (معتبر) ہیں اور اس حدیث کی سند متصل ہے۔

تیسری حدیث: صحیح صریح مرفوع متصل ہے۔

"**عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره**" (ابن خزیمہ جلد اول صفحہ ۲۴۳) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھ لیا۔

یہ حدیث بالکل صحیح سالم ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ علامہ ابن نجیم حنفی نے بھی البحر الرائق میں اس کو صحیح سالم کہا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس روایت پر حنفیہ نے جو اعتراضات کئے ہیں سب بے بنیاد ہیں تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو ارشاد الحق اثری کی کتاب "توضیح الکلام فی وجوب القرأة خلف الامام" دیکھیں۔

قرأة فاتحہ خلف الامام

"**عن عبادة الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوٰة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب**" (بخاری)

علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح بخاری جلد سوم صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے۔ "استدل بهذا الحديث عبد الله بن المبارك و مالك و الشافعي و احمد و اسحق وابو ثور وداود على وجوب قراة خلف الامام في جميع الصلوات"

ملتانی صاحب غور سے اپنے ایک حنفی عالم کا بیان دیکھئے یعنی صرف اہل حدیثوں ہی نے نہیں بلکہ تین امام امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ان کے علاوہ عبد اللہ بن المبارک اور اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور اور داود جیسے محدثین عظام سب کے سب لفظ من کو عام مانتے ہیں۔ اور یہ سب تمام نمازوں میں قرأة خلف الامام کی فرضیت کے قائل ہیں۔

دوسری صحیح صریح مرفوع متصل حدیث:

"**عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام**"۔ (اخرجہ البیہقی فی کتاب القراۃ وقال اسنادہ صحیح والزیادۃ التی فیہ مشہورۃ من اوجہ کثیرۃ)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

قرأة فاتحہ خلف الامام پر ایک اور صحیح صریح مرفوع حدیث:

"**عن عبادة الصامت قال صلى رسول الله ﷺ الصبح فثقلت عليه القرأة فلما انصرف قال انى اراكم تقرؤن و راء امامكم قال قلنا يا رسول الله اى والله قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأبها**"۔ (ترمذی)

امام خطابی نے معالم السنن شرح ابی داود میں لکھا ہے کہ "ھذا الحدیث صریح بان قرأۃ فاتحہ واجبۃ علی من خلف الامام سواء جھر الامام بالقراۃ او خافت بھا ولسنادہ جید لا طعن فیہ"

صفدر صاحب نے اپنی کتاب احسن الکلام میں اس روایت میں اضطراب ثابت کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے اس کا مدلل جواب احسن الکلام کے جواب میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل کتاب "توضیح الکلام فی جواب القرأۃ خلف الامام" میں دیا جا چکا ہے۔ جس کے مولف ارشاد الحق صاحب اثری ہیں۔

"واذا قرئ القرآن" الخ

جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو اور سنو

ملتانی صاحب بتایئے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو کیا اس وقت نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی اور صحابہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔ تو منع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ آپ یہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاموش رہنا، بولنے کی ضد ہے۔ سننا، نا سننے کی ضد ہے۔ اس آیت میں بولنے اور نا سننے سے منع کیا گیا ہے۔ امام کی قرأت سنتے ہوئے نہایت آہستہ سے صرف سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔

تیسری بات: یہ آیت مکی ہے اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں جو قرآن کی تلاوت کے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ یعنی قرآن نہ سنو اور شور کرو قرآن کے انداز بیان پر غور کیجئے دو آیتوں کو سامنے رکھئے وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن و الغوا فیہ لعلکم تغلبون کافروں نے کہا کہ یہ قرآن نہ سنو اور شور کرو شاید تم غالب آجاؤ۔ و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو

شاید تم پر رحم کیا جائے۔ غور سے دیکھئے

{لا تسمعوا} (نہ سنو) کے جواب میں ﴿فاستمعوا﴾ (سنو)

﴿و الغوا فیہ﴾ (شور کرو) کے جواب میں {انصتوا} (خاموش رہو)

﴿لعلکم تغلبون﴾ (تاکہ تم غالب آجاؤ) کے جواب میں ﴿لعلکم ترحمون﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ

"و اخذ رسول اللہ من القرأۃ حیث کان بلغ ابو بکر" ابن ماجہ صفحہ ۸۸

"فقرأ من المکان الذی بلغ ابو بکر من السورۃ" مسند احمد جلد اول صفحہ ۲۰۹

اس حدیث سے استدلال کرنے سے پہلے چند امور کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۱) آپ جس نماز میں شامل ہوئے وہ جہری تھی یا سری۔؟

(۲) اس نماز میں آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی کہ نہیں۔؟

(۳) یہ امر آپ کا خاصہ تھا یا نہیں۔؟

(۴) آپ نماز میں کس وقت شامل ہوئے؟

(۱) صحیحین کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی یعنی سری نماز تھی۔

(۲) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جماعت کرانے لگے تھے تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے آپ ﷺ اسی وقت تشریف لائے اور سورۃ فاتحہ سے قرأت شروع کی۔ (۳) حدیث میں قرأت سے مراد نماز ہے کیونکہ آپ ظہر کی نماز میں شامل ہوئے جو سری ہے اس میں جہرا قرأت شروع کر دی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے متروکہ حصہ آہستہ بھی نہیں پڑھا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نماز میں زیادہ بیمار ہو گئے اور واپس چلے گئے اور۔

ملتانی صاحب کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں صراحت کے ساتھ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی مخالفت ہو۔ انہوں نے جو احادیث پیش کی ہیں فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

مدرک رکوع مدرک رکعت ہے؟

(کیا رکوع کا پانے والا رکعت کا پانے والا ہے؟)

"عن ابی بکرۃ ان النبی ﷺ صلی صلاۃ الصبح فسمع نفسا شدیدا اوجھر ا من خلفه فلما قضی رسول الله الصلوۃ قال لابی بکرۃ انت صاحب النفس قال نعم جعلنی الله فداک خشیت ان تفوتنی رکعة معک فاسرعت المشی فقال رسول الله زادک الله حرصا ولا تعد صل ما ادرکت واقض ماسبقک" (جزء القراۃ للبخاری صفحہ ۲۲ تفسیر القرطبی جلد اول صفحہ ۱۶۵)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی تو لمبی سانس یا ہانپنے کی آواز سنی پوچھا تم ہانپنے والے تھے کہا جی ہاں آپ پر قربان جاوں، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تیری حرص زیادہ کرے آئندہ ایسا مت کرنا اور جو نماز چھوٹ گئی اسے پڑھ لے

دوسری حدیث: "عن ابی بکرۃ انه دخل المسجد والنبی راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فذکر ذالک للنبی ﷺ فقال زادک الله حرصا ولا تعد، واقض ما فات" (جزء القراۃ للبخاری)

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رکوع میں تھے، تو صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے آئندہ ایسا مت کرنا اور جو رکعت فوت ہوگئی اسے پورا کر لے۔

لیجئے ملتانی صاحب آپ نے صرف ایک صریح مرفوع متصل حدیث پیش کرنے کے لئے کہا تھا میں نے دو حدیثیں پیش کردی ہیں۔

آمین سرا کہنا مسنون ہے یا جہرا

ملتانی صاحب نے صفحہ ۴۹ پر سورہ یونس آیت ۸۹ ﴿قد اجیبت

دعوتکما﴾ سے استدلال کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون آمین کہہ رہے تھے اللہ نے ہارون کی آمین کو بھی دعا کہا ہے۔

واہ ملتانی صاحب بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں۔ اس استدلال پر بے چارے اندھے مقلدین ہی سر دھن سکتے ہیں۔ محقق اہل حدیث نہیں۔ آپ نے صرف اتنا لکھ دیا قال عطاء آمین دعاء" اگلی عبارت ہضم کر گئے اگلی عبارت اس طرح ہے "امَّنَ ابن الزبیر و من ورائه حتی وان للمسجد للجة" (بخاری) ابن زبیر اور ان کے پیچھے تمام مقتدیوں نے اتنے زور سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔ واہ کیا بات ہے میٹھا میٹھا گپ کڑوا کڑوا تھو۔

نیز ملتانی صاحب پہلے یہ ثابت کریں کہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آہستہ آہستہ آمین کہہ رہے تھے اور موسیٰ اور ہارون دونوں نماز میں تھے۔

ملتانی صاحب کا یہ استدلال بالکل درست نہیں کیونکہ تمام دعاوں کا آہستہ پڑھنا ضروری نہیں۔ ورنہ جہری نمازوں میں اھدنا الصراط المستقیم کا بھی آہستہ پڑھنا ضروری قرار پائے گا۔ اور اسی طرح دیگر ادعیہ ماثورہ کا بھی جن میں جہر مسنون ہے۔

ایک اور پتے کی بات میں ملتانی کو بتاتا ہوں۔

جناب من آمین دعا نہیں بلکہ تابع دعا ہے یعنی اصل دعا کے تابع ہے۔ اب غور کیجئے جہری نماز میں امام اھدنا الصراط المستقیم کو بلند آواز پڑھتا ہے لہذا آمین اس کے تابع ہو کر بلند آواز سے پڑھی جائے گی اور سری نمازوں میں سرا پڑھی جائے گی۔ آمین تابع دعا ہے بالکل ظاہر ہے کیونکہ آمین کا مفہوم اللھم استجب (اے اللہ قبول کر) ہے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ کیا قبول کر جواب یہ ہے کہ یہ جو دعا کی گئی ہے اس کو قبول کر۔

آمین بالجھر پر ایک صحیح صریح مرفوع متصل روایت:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں "کان رسول الله اذا تلا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول فیرتج

بهاالمسجد" (ابوداود، ابن ماجہ)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تلاوت کرتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف سن لیتی پھر مسجد آمین سے گونج جاتی

امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے بیہقی نے کہا حسن صحیح ہے، اور حنفیہ آہستہ آمین کہنے پر جو ترمذی، مسند احمد کی حدیث خفض بھا صوتہ پیش کرتے ہیں ضعیف ہے۔ شعبہ نے اس حدیث میں تین غلطیاں کی ہیں۔ تیسری غلطی ہے کہ خفض بھا صوتہ کہہ دیا حالانکہ مد بھا صوتہ تھا۔

رفع الیدین کا دوام یا ترک

پہلی حدیث: "**عن ابی قلابة انه رأى مالك بن الحويرث اذا صلى كبر ورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع رفع يديه وحدث ان رسول الله صنع هكذا**" (بخاری کتاب الصلوۃ)

مالک بن حویرث ان لوگوں میں سے ہیں جو سن ۹ ھ میں ایمان لائے اور انہوں نے رسول اللہ کے آخری عمر میں آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں پس ان کا رکوع میں جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کا ذکر کرنا رفع الیدین کے دوام اور اس کے دعوئ منسوخیت کے بطلان پر واضح دلیل ہے۔

دار الکتب الاسلامیہ نئی دہلی سے ایک کتاب بنام "اثبات رفع الیدین احادیث کی روشنی میں" شائع ہوئی ہے اس کے مصنف مولانا عبد الرشید انصاری ہیں اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اثبات رفع الیدین احادیث کی روشنی میں ہے جس میں دو سو پینتالیس (245) احادیث سندوں کے ساتھ جمع کی گئی ہیں اور دوسرے حصے میں دیوبندیہ کے اڑتیس (38) دلائل کے مدلل اور مسکت جوابات بڑی سنجیدگی سے دئے گئے ہیں۔ تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف مراجعہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں امام بخاریؒ کا جزء رفع

الیدین نامی ایک مستقل رسالہ ہے جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے امام بخاریؒ نے مترجم جزء رفع الیدین صفحہ ۹ پر فرمایا ہے "کسی ایک صحابی سے بھی عدم رفع یدین ثابت نہیں اور جو لوگ عدم رفع یدین بیان کرتے ہیں وہ سندا صحیح نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رفع الیدین پر اجماع صحابہ ہے خود حنفیہ کے گھر کی شہادت موجود ہے۔

مولانا عبد الحی حنفی لکھنوی نے موطا امام محمد کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ رفع یدین کرنے کے راوی صحابہ کا ایک جم غفیر ہے اور ترک رفع الیدین میں صرف ابن مسعود سے ایک روایت ہے اور وہ بھی صحیح نہیں ہے۔

سرکش گھوڑوں کی دُمیں والی روایت مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے اس بارے میں صرف امام بخاری کا تبصرہ نقل کئے دیتا ہوں

فاما احتجاج بعض من لا يعلم بحديث جابر بن سمرة فانما كان فى التشهد ولا يحتج بهذا من له حظ من العلم (جزء رفع الیدین صفحہ ۳۶/۳۷)

اس حدیث میں جو ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ تشہد کی حالت میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کے بارے میں ہے نبی نے تشہد کی حالت میں اشارہ کرنے سے منع کر دیا۔ جس شخص کو تھوڑا بہت علم کا حصہ ملا ہے وہ اس حدیث سے عدم رفع الیدین پر استدلال نہیں کرتا۔

اب میں ملتانی صاحب سے ایک سوال کروں گا۔ ملتانی صاحب بتائیے گھوڑے دُم کیسے ہلاتے ہیں؟ اوپر نیچے یا دائیں بائیں؟ رفع الیدین تو اوپر نیچے ہوتا ہے اور گھوڑے اپنی دم دائیں بائیں گھماتے ہیں۔

کیا ملتانی صاحب تقلیدی مذہب نے آپ کا دماغ اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ مشاہدے ہی کا انکار کر بیٹھے؟

ملتانی صاحب نے صفحہ ۱۹ پر تحریر فرمایا ہے "سجدہ کے بعد رفع یدین"، مسلم شریف کتاب الصلوۃ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے **ولا يرفعهما بين السجدتين**

یعنی رسول اللہ دو سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے

مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے ابکار السنن میں صفحہ ۲۰۵/۲۰۴ میں لکھا ہے **لیس فی ھذا الباب حدیث صحیح صریح** سجدہ کی حالت میں رفع الیدین کے لئے کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں۔

سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنا یا گھٹنا

شیخ علامہ البانی نے صفۃ صلاۃ النبی میں لکھتے ہیں:

''نبی کریم سجدے میں جاتے وقت اپنے دونوں ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھتے''۔ (ابن خزیمہ جلد صفحہ نمبر ۷۶، دار قطنی اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور امام ذھبی نے ان کی تائید کی ہے)

اور اس کے خلاف جو حدیث گھٹنوں کو زمین پر پہلے رکھا جائے آئی ہے وہ ضعیف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے حکم دیا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھے'' (ابوداود)

حدیث کے الفاظ ہیں ''**ولیضع یدیه قبل رکبتیه**'' یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداود کی دو روایتیں جو وائل بن حجر سے مروی ہیں کہ پہلے گھٹنے رکھے جائیں وہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ ایک روایت میں شریک ہیں وہ اگر منفرد ہوں تو ان کی روایت قبول نہیں کی جاتی دوسری روایت میں عبد الجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔

کیا سجدے سے زمین پر ٹیک لگائے بغیر اٹھنا سنت ہے

حدیث: ''**واذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام**'' (بخاری کتاب الاذان عن مالک بن الحویرث) جب رسول اللہ ﷺ دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر (ہاتھ ٹیک کر) سہارا لیتے پھر کھڑے ہوتے۔

ملتانی صاحب: آپ نے عبد اللہ بن عمر سے مروی ابوداود کی جو روایت پیش کی ہے

ایک حدیث میں عبد اللہ بن عمر کا فعل اس حدیث کے خلاف بتایا گیا ہے۔ روایت اس طرح ہے:

''**و روى عبد الرزاق عن ابن عمر انه كان يقوم اذا رفع راسه من السجدة معتمدا على يديه قبل ان يرفعهما**'' (فتح الباری صفحہ ۲۸۳) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنا سر سجدے سے اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھانے سے پہلے انہیں زمین پر ٹیکتے۔

دوسری صحیح حدیث: ''**عن خالد عن ابی قلابة قال كان مالك بن الحويرث ياتينا فيقول الا احدثكم عن صلاه رسول الله فيصلي في غير وقت الصلوٰة فاذا رفع راسه من السجدة الثانية في اول ركعة استوى قاعدا و اعتمد على الارض**'' (السنن الکبریٰ للبیہقی)

حضرت مالک بن حویرث نبی کی نماز بتاتے ہیں جب اپنا سر دوسرے سجدے سے اٹھاتے پہلی رکعت میں تو سیدھے بیٹھ جاتے اور زمین پر سہارا لیتے۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے بغیر تیر کی مانند اٹھتے تھے تو وہ من گھڑت اور جھوٹی ہے اور اس معنی کی جتنی بھی حدیثیں ہیں سب کمزور ہیں۔ علامہ البانی نے مفصل طور پر اسے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ حدیث ۵۶۲، ۹۲۹، ۹۶۸ میں بیان کیا ہے۔

التحیات میں بیٹھنے کا طریقہ

حدیث: **فاذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرىٰ و نصب الاخرىٰ و قعد على مقعدته**'' (بخاری کتاب الاذان عن ابو حمید الساعدی)

جب رسول اللہ آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو آگے کر لیتے اور دوسرے کو کھڑا کر لیتے اور اپنے سرین کے بل بیٹھ جاتے۔ ملتانی صاحب ذرا کچھ تو اللہ کا خوف کھائیے۔ اہل حدیث تشہد اخیر میں تورک کے قائل ہیں اور آپ نے جتنی روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے ایک میں بھی تشہد اخیر کا تذکرہ نہیں ہے۔